آسیہ رزاقی

کچھ دل سے کچھ کاغذ پر

مہکتا ناولٹ

"ہائیں' یہ بھری دوپہر میں کہاں کی تیاری ہو رہی ہے۔"

خرم کو جلدی جلدی موزے چڑھاتے دیکھ کر امی نے ٹوک دیا۔ عموماً" وہ کوئی جواب طلب سوال کرتی نہ تھیں۔ وہ گھر کے کام اور انتظام میں مصروف رہتی تھیں۔ خرم یونیورسٹی سے آج جلدی آگیا تھا اور اب کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

"آج میچ ہے ہمارا' فائنل ہے تو اس لیے جلدی جانا ہے۔"

"پہلا میچ فائنل کیسے ہو گیا' اس سے پہلے تو تم نے کسی میچ میں حصہ نہیں لیا تھا۔" امی کی معلومات کو چیلنج کرنا بھی مشکل تھا۔

"دو مہینے پہلے ٹورنامنٹ ہوا تھا' بتایا تو تھا پھر امتحانوں کی وجہ سے فائنل آگے بڑھا دیا گیا۔ پریکٹس تو روز کر رہی رہا تھا' آپ کو کوئی کام ہے جو تحقیق تفتیش کر رہی ہیں؟"

"مجھے....؟ مجھے کیا کام ہو گا۔" وہ پراسرار انداز میں مسکرائیں۔ "اپنے ابا جان سے پوچھ لیا ہے؟" یہ ایک مشکل مرحلہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ یہ کام امی خود ہی انجام دے ڈالیں۔ ابا جان کو تمام قسم کے کھیل وقت خراب کرنے والے لگتے تھے۔ پیٹ بھروں کے مشغلے۔

"خرم بھائی! دراصل آپ کو دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آرہے ہیں۔"

معظم جو ابھی ابھی آیا تھا' جواب اس نے دیا اور معظم اس گھر کی وہ ہستی تھا' جسے ہر پوشیدہ خبر کی پہلے سے اطلاع ہوتی تھی۔

"مجھے دیکھنے.....؟ کیا.....؟ میرے سر پر سینگ اُگ آئے ہیں یا میں کوئی عجوبہ ہوں؟" وہ نہ صرف حیران ہوا بلکہ چڑ گیا اور جوتے پہننے کی جو مشقت وہ کر رہا تھا۔ اس سے بھی رک گیا اور امی کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بات یہ ہے بھائی! امی ابا جان آپ کی شادی کے لیے لڑکی دیکھ چکے ہیں۔ اب اس لڑکی کے بھائی آپ کو دیکھنے آرہے ہیں۔" جواب اب بھی معظم کی طرف سے آیا۔

"کیا.....؟ تو میں کس سلسلے میں دیکھا جارہا ہوں؟"

"بردکھوے کا بھی سلسلہ ہوتا ہے۔ بغیر دیکھے تو وہ آپ سے اپنی بہن کی شادی نہیں کریں گے۔"

"میں کہیں بھاگا نہیں جارہا اور ویسے بھی مجھے شادی وادی کی جلدی نہیں ہے۔"

"ہمیں تو ہے۔" امی کا اطمینان لاجواب تھا۔

"امی....." حیرت اور احتجاج اس کے لہجے میں تھا۔ "سوچیں' ایک اسٹوڈنٹ سے کون اپنی بہن کی شادی کرتا ہے' جس کے مستقبل کا کوئی پتا نہیں خیر' اگر آج ہی شادی بھی ہو' تب بھی میں رک نہیں سکتا کیونکہ آج میرا اہم میچ ہے اور امید ہے کہ آج کی کامیابی مجھے قومی ٹیم میں شامل ہونے کا موقع دے دے' اس لیے خدا حافظ۔" وہ نکلتا چلا گیا۔

معظم پریشان ہو کر امی کو دیکھنے لگا مگر انہیں خاص فکر نہ تھی' وہ جس کام میں مصروف تھیں' اسی میں لگی رہیں۔

"امی! بھائی تو چلے گئے۔" اس نے متوجہ کرنا چاہا۔

"جانے دو' آجائے گا۔ وہ لوگ بھی کون سا ابھی آرہے ہیں۔ شام کو آنے کا کہا ہے تو رات تک آجائیں گے۔ یہ تھی....." اطمینان بدستور تھا۔

"یہ آپ کر کیا رہی ہیں اتنی دیر سے۔" وہ انہیں مسلسل ڈبوں میں ہاتھ مارتے دیکھ کر جھلا گیا۔ "مجھے بتائیں' میں دیکھتا ہوں۔"

"ارے بیٹا! کروشیا تلاش کر رہی ہوں' برسوں پہلے دوپٹوں پر بیلیں بنائی تھیں' اب فیشن بھی نہیں رہا۔ آنکھوں میں طاقت رہی نہ فرصت۔ صولت کہتی ہے پھر سے فیشن آگیا ہے' اس کی قمیص کے گلے اور آستینوں پر کروشیے کی بیل بنا دوں۔ چلو تم ہی ڈھونڈو۔"

"وہ..... ہو نا کیا ہے۔" معظم اپنی پیشکش پر پچھتایا۔

"لمبی سی موٹی سی سوئی ہوتی ہے۔ آگے سے ذرا سی مڑی ہوئی۔"

امی اسے تفصیل بتانے لگیں۔ اب دونوں ماں بیٹے کروشیا تلاش کرنے لگے۔

امی کا اندازہ بلکہ قیاس درست نکلا۔ ان لوگوں کے آنے میں دیر ہو گئی اور خرم کا میچ وقت سے پہلے ختم ہو گیا۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے' لڑکی کے بھائیوں سے ملاقات گیٹ پر ہی ہو گئی۔ سلام دعا' سوال جواب گیٹ پر ہی ہو گئے۔ خرم کو تو یاد بھی نہ تھا۔ میچ میں شکست کھا کر دل برداشتہ تھا۔ ان لوگوں کو معظم کے حوالے کر کے خود اپنے کمرے میں آگیا۔

"آپ شاید میچ کھیل کر آرہے ہیں؟" ان میں سے ایک نے پوچھا تھا۔

"جی' بدقسمتی سے ہار کر۔" اس نے منہ لٹکا کر کہا۔

وہ اسے تسلی دینے لگے۔ "زندگی میں جیتنے کے بہت سے مواقع آئیں گے' آپ مایوس نہ ہوں۔ ایک میچ ہارا ہے' دوسرا جیتنے کے لیے کھیلیں۔ مضبوط قوت ارادی کے ساتھ۔" ایک نے نصیحت کی۔

خرم اپنے کمرے میں آگیا' اسے کچھ وقت سوگ منانا تھا' اس کے لیے اب کوئی چانس نہیں تھا۔ اس کا یہ آخری میچ تھا اور اب شاید وہ کبھی بولنگ نہ کر سکے' کبھی بیٹ پکڑ کر وکٹوں کے آگے نہ کھڑا ہو سکے۔ آج اس کی کارکردگی صفر رہی تھی' اس کے لیے قومی کھلاڑی بننے کا خواب بے تعبیر خواب تھا۔

"بھائی..... چائے پی لو۔" معظم نے دروازہ ذرا سا کھول کر جھانکا۔ خرم نے کروٹ بدل کر کہا۔

"نہیں۔"

"بھائی! کیا واقعی ہار گئے ہو؟" زخموں پر نمک چھڑکنا معظم کی عادت تھی۔ خرم نے تکیہ کھینچ کر مارا۔ معظم باہر تکیہ اندر رہ گیا۔ تین دن کا سوگ تو اس کا حق تھا۔ چوتھے دن بن ٹھن کر کمرے سے نکلا تو امی نے سکھ کا سانس لیا۔

"اب کہاں کی تیاری ہے؟"

"دوست کی خیریت پوچھنے جارہا ہوں۔"

"اچھا..... تو کیا وہ بھی ہار گیا تھا؟" اس نے شکایتی نظر امی

کے چہرے پر ڈالی۔ "اصل میں اس دن جو لوگ آئے تھے' انہوں نے تم کو پسند کر لیا ہے۔ اب تم بتاؤ ان کے گھر کب جاؤ گے۔"

"میں کیوں جاؤں ان کے گھر؟ انہوں نے مجھے پسند کیا ہے' میں نے نہیں۔" وہ تنک کر بولا مگر امی کو سمجھانا بہت مشکل تھا۔

"تم لڑکی کو دیکھ لینا' اس کے والدین سے مل لینا پھر جو فیصلہ تم کرو گے' ہمیں منظور ہو گا۔ بہت ہی اچھے لوگ ہیں۔"

"امی! میری تو سمجھ میں نہیں آتا' یہ کیسے لوگ ہیں جو مجھے پسند کر کے شادی کرنے کو تیار ہیں۔ میں نہ تو وزیر سفیر ہوں' نہ کسی اعلا کمپنی کا مالک۔ انہوں نے مجھ میں کیا دیکھا' بے روزگار۔"

"خاندان بھی دیکھا جاتا ہے اور آخر تم نے اتنا کچھ پڑھ لیا ہے' کچھ تو کرنا ہی ہے یا ڈنڈے بجانے ہیں۔" امی خفا ہو گئیں۔

"ڈنڈے.....؟ مطلب.....؟"

"یہی کرکٹ' جس کا بھوت سوار ہے تم پر۔"

"بھائی! ایک بار مل لو' لڑکی دیکھ لو پھر منگنی اور وہ آپ کو اعلا تعلیم کے لیے باہر بھیجیں گے کیونکہ ان کی بہن بھی بہت زیادہ پڑھنا چاہتی ہے۔ لندن وغیرہ جا کر۔" یہ معظم تھا' امی کا چھوٹا چچہ۔ یہ خطاب ابا جان نے اسے دیا تھا۔

"کیوں' انہیں کیا ضرورت ہے اور جہاں تک لڑکی اور اس کے والدین سے ملنے کا سوال ہے' جب بھائی لوگ آئے تھے' بہن کو بھی لے آتے' والدین بھی آجاتے۔ میں ان کے گھر جا کر سب کو ریجیکٹ کر دوں تو.....؟"

"یہ ممکن نہیں کیونکہ ابا جان کے پرانے ساتھیوں میں ہیں۔" یہ اعظم بھائی تھے' امی کا بڑا چچہ اور خرم نہ کسی کا چچہ تھا نہ کنفگیر۔ ابا جان کی پیش گوئی تھی کہ یہ نالائق اپنی بیوی کا غلام اور چچہ کرچھا ہو گا کیونکہ تمام نافرمان اولادیں' بیوی کی غلام ہوتی ہیں۔

"نہیں' مجھے شادی نہیں کرنی' ابھی تو بالکل نہیں اور سسرال کے پیسوں سے لندن کی تعلیم.....؟ ہونہہ..... میں معذور ہوں کیا؟"

کاش کہ وہ قومی کرکٹ ٹیم میں سلیکٹ ہو جاتا پھر کوئی بینک کوئی اعلا حکومتی ادارہ اسے اپنے باس رکھ لیتا' اعزازی طور پر یا شاید اسے مزید کرکٹ کھیلنے کا موقع مل جاتا۔ یونیورسٹی کی ٹیم میں اسی لیے کھیل رہا تھا کہ تعلیم یافتہ لوگ بھی کھیلوں کو غلط نہ سمجھیں۔

آخری میچ میں اسے سابقہ کارکردگی کے تناظر میں پورا یقین تھا کہ وہ کرکٹ کے اعلا حکام کی نظروں میں آجائے گا مگر ہا آرزو کہ خاک شد' اور یہی میچ اس کے لیے ایسا اندوہناک ثابت ہو گا۔

کمرے سے باہر آیا تو امی نے شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ہونہہ..... اس غم کے زمانے میں شادی کا شوشہ' کس بنا پر..... مستقبل میں ابھی تو اندھیرا ہے اور نہ جانے ابھی کتنی ناکامیاں تقدیر کی جھولی میں ہوں گی۔ گھر سے نکل کر وہ پیدل ہی چلتا جارہا تھا' کتنی ہی دیر فٹ پاتھ پر چلتا رہا' ابھی تو اس کے پاس کوئی سواری بھی نہ تھی۔

معظم نے تو دوران تعلیم ہی ایک عدد سائیکل خرید لی تھی' وہ بچوں کو ٹیوشن دیتا تھا۔ وہ اپنی اس سائیکل پر ہر جگہ چلا جاتا تھا۔ ہر چھٹی کے دن اس کی مرمت' صفائی اور ایسی آؤ بھگت کرتا تھا' جیسے وہ جگر کا ٹکڑا ہو۔ "میرے گاڑھے پسینے کی کمائی۔" وہ اس سے لپٹ جاتا تھا اور اب تو اس نے

UrduPhoto.com

نہ جانے کس طرح اس میں ایک چھتری فٹ کرلی تھی' جو اسے بارش اور دھوپ سے محفوظ رکھتی تھی۔ خرم کو اس پر بڑا رشک آتا تھا۔

انجینئر تو وہ بنا تھا مگر معظم تو کب سے گھر کی انجینئرنگ میں مصروف تھا۔ کبھی خراب ٹوسٹر کھولے بیٹھا ہے تو کبھی امی کی سلائی مشین کی صفائی تو کبھی استری کے بال بیرنگ بدلے جارہے ہیں۔ گھر کے ہی پرزے جوڑتے جوڑتے وہ خاصا مکینک بن گیا تھا۔

امی کا اس لیے بھی لاڈلا تھا کہ وہ ان کو سوئی میں دھاگا بھی پرو کردیتا تھا۔ کبھی کبھار آلو وغیرہ چھیلنے میں مدد کردیتا تھا۔ اعظم بھائی کو اچھی جاب مل گئی تھی۔ جاب کے ملنے کے بعد ان کی شادی بھی کردی گئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایک عدد موٹر سائیکل بھی خرید لائے بیگم کو میکے لے جانے کے لیے۔ اس میں بھی معظم نے نظریۂ ضرورت کے تحت ایک عدد سیٹ وافر لگادی۔ اس فاضل سیٹ پر بیٹھا بھی جاسکتا تھا اور سودا سلف لانے کے لیے سیٹ کو خاص تیکنیک کے ذریعے کھول کر ایک ڈبہ بھی بنایا جاسکتا تھا۔

"جو کرنا چاہے' وہ ہر آدمی کرسکتا ہے۔ محنت جدوجہد اور کوشش ہی کرے۔ عمل سے زندگی بنتی ہے بھائی۔"

خرم کو گھسے پٹے الفاظ' محنت' کوشش' جدوجہد وغیرہ پسند نہ تھے۔ تعلیم بھی محنت سے ہی حاصل کی ہے اور آج چلتے چلتے تھک گیا تو کسی بھی سواری کی افادیت کا ادراک ہوا۔ اپنی بے خبری پر غصہ بھی آیا۔ ایسی بھی کیا بے خبری کہ راستہ ناپتے ناپتے میلوں آگے آگیا اور راستے تو چلتے ہی رہتے ہیں' راستہ کبھی ختم ہوتا نہیں' انسان تھک جاتا ہے۔ یہاں ایک شکست کا غم کیا کم تھا کہ پیروں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا تو رک کر ادھر ادھر دیکھا۔

"اوہو..... گارڈن ٹاؤن آگیا۔ چلو ذرا آگے چچا جان کا گھر ہے' سلام ہی کرلوں۔" ہمت کرکے آگے بڑھا۔

نیلے گیٹ کے دونوں پٹ حسب سابق کھلے ہوئے تھے۔ اندر آکر پہلے دونوں پٹ برابر بند کیے۔ حسب عادت برآمدے میں کرسیاں الٹی سیدھی میز آدھی سیڑھی آدھی برآمدے میں۔ ہر بار کی طرح سب درست کیا پھر کیاری کا دروازہ بجایا' وہ بھی کھلا ہوا تھا مگر اسلام میں تاکید ہے کہ کسی کے گھر جاؤ تو دستک دے کر جواب ملنے پر جاؤ' کہیں سے کوئی جواب نہ ملا' حسب معمول اندر آگیا۔ کھنکار کر آمد کا اعلان کرتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوا "آجاؤں؟"

کہہ کر آہی گیا۔ یہ ناتواں آواز صرف چچی سن سکی تھیں کیونکہ فہد بھائی اور عطیہ بھابھی تو بلند آواز میں بحث کررہے تھے۔

وہ سلام کرکے چچی کے پاس جا بیٹھا۔ اشارے سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے۔ چچی نے بھنویں سکوڑیں' ہاتھ سے "کیا پتا" کا اشارہ کرکے پاندان کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔ عطیہ بھابھی زور و شور سے آنسو بہارہی تھیں۔ اسی زور زوری میں فہد بھائی کو جواب بھی دے رہی تھیں۔ حسب معمول' حسب عادت' وہ دکھڑے رو رہے تھے یا غرا رہے تھے پھر وہ جوش غضب میں اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور چیخ کر اپنی والدہ سے بولے۔

"بس اماں! اب میری برداشت ختم ہے' سمجھالیں لاڈلی بہو کو۔ تھک گیا ہوں سمجھا سمجھا کر۔ صبح ناشتہ نہیں ملتا' جوتے غائب' تلاش کرتے کرتے لیٹ ہوجاتا ہوں۔ کپڑے استری کرنے میں سو نخرے۔"

"اماں! بولیں آپ' کچھ تو کہیں۔"

چچی نے پاندان بند کیا۔ "کیا کہوں' کپڑے تم خود استری کرلیا کرو' جوتے کسی ایک جگہ خود ہی رکھ دیا کرو۔" سادہ آسان حل۔

"ٹھیک ہے' ناشتہ بھی میں خود بنالیا کروں کیونکہ آپ کی بہو کا وہ ٹی وی کا صبح کا پروگرام دیکھنا فرض ہے۔ استری خود کرلوں پھر آپ کہیں گی' کھانا خود بنالیا کرو۔" فہد بھائی جھلائے ہوئے تھے۔

"بیٹا جی! اپنا کام کرنے میں کوئی ذلت نہیں ہے۔"

"تو..... ان خاتون کا کوئی فرض نہیں؟ پھر ان کا فائدہ کیا ہے؟"

"بیوی گھر کے کام کے لیے نہیں جاتی۔ میاں بیوی میں مساوات کا حکم ہے۔ ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔"

"چچی پر فہد بھائی کے غصے گرمی کا بظاہر تو کوئی اثر نہ تھا' ساتھ ہی عطیہ بھابھی بھی کچھ نہ کچھ بول رہی تھیں۔ جس پر فہد بھائی کا غصہ بڑھ رہا تھا۔

"تعاون' صحیح ہے تو جب یہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی ہوں' میں بھی ان کے پاس بیٹھا رہوں۔ یہ ریڈیو کے گانے سنیں تو میں بھی سر ہلا ہلا کر ساتھ دوں۔ بستر پر یہ دن بھر براجمان رہتی ہیں' میں بھی ایسا کروں۔ اب ان سے کہیے' آفس جاکر کام کریں۔"

وہ چیختے چلاتے منظر سے غائب ہوگئے۔ عطیہ بھابھی کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔ آرام سے ٹک کر بیٹھ گئیں۔ چچی نے ایک متاسفانہ نظر ان پر ڈالی اور آہستہ سے کہا۔

"عطیہ! چلو تم بھی اٹھو' جاکر منہ ہاتھ دھو کر چائے بنالو۔ خرم پیے گا' فہد کو بھی دے دینا۔"

"وہ کبھی نہیں پئیں گے۔" عطیہ بھابھی کسمسائیں۔ "خفا جو ہیں۔"

"تو بیٹا! پھر منالو' چائے دو گی تو خفگی ختم ہوجائے گی۔"

خرم نے حیرت سے کہا۔ "ارے اب تو رات ہونے والی ہے۔ اب تک آپ لوگوں نے چائے نہیں پی۔" جبکہ فہد کو آفس سے آکر ایک گھنٹے سے زیادہ ہوگیا ہوگا' یہ تو سراسر زیادتی تھی عطیہ بھابھی کی۔

"بس بیٹا! اس وقت ٹی وی پر کوئی پروگرام آرہا تھا' عطیہ اٹھی نہیں۔ پروگرام ختم ہوا تو فہد کا غصے کا پروگرام شروع ہوگیا۔"

"بھابھی! آپ فہد بھائی کے آنے سے پہلے چائے دم کرکے ٹی کوزی سے ڈھانک کر رکھ دیا کریں۔ دودھ شکر برتن سب رکھ دیں یا پھر پروگرام کے وقفے سے فائدہ اٹھائیں۔ اس وقت تو صرف لمبے چوڑے اشتہار ہی آتے ہیں یا وہ بھی دیکھتی ہیں آپ؟ اصل میں ہماری امی تو ایسا ہی کرتی ہیں۔ میز پر چائے رکھی ہوتی ہے' جس وقت آیا ہے' بنا کر پی لیتا ہے۔"

خرم نے تفصیل سے بتایا کہ شاید ان کو کچھ سمجھ میں آجائے۔ وہ اونہہ کرکے اٹھیں۔ بڑبڑاہٹ خرم نے بھی سن لی یا ان کا مقصد بھی شاید اسے سنانا ہی تھا۔

"جسے دیکھو مجھے ہی نصیحت کرتا ہے۔" خرم نے ان کو دیکھا پھر لجاجت سے بولا۔

"بھابھی! میں نصیحت نہیں کررہا۔ جھگڑے بدمزگی سے بچنے کی ترکیب بتارہا ہوں' آپ کو بھی آسانی رہے گی۔ دس دفعہ سمجھاتی ہوں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔"

"بیٹا! کرنا پڑتا ہے۔ جب دو فریق ایک دوسرے کو جاننے سمجھنے کی کوشش نہ کریں' تب کسی ایک کو بدرجہ مجبوری سمجھوتا کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے وہ عورت ہی ہوتی ہے جو قربانی دیتی ہے۔"

خرم کو تاسف نے گھیر لیا۔ فہد بھائی ایسے ضدی غصے والے تھے تو نہیں' بہت خوش مزاج' نرم گفتار' کھلنڈرے' سب کے ساتھ کرکٹ فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کا لحاظ ہی نہیں کرنا جانتے یا کرنا چاہتے نہیں۔ وہ عطیہ بھابھی کو دیکھنے لگا' جو ایک مگ لے آئی تھیں۔ موڈ خراب تھا' خرم کے سامنے مگ رکھ کر دور کھڑی ہوگئیں۔ چچی نے ملامتی نظر ان پر ڈالی۔

"عطیہ! بسکٹ' نمکو' کوئی چیز لے آتیں۔ اکیلی چائے۔" چچی کو ان کا انداز اچھا نہیں لگا۔

"میرا دماغ صحیح نہیں ہے۔" وہ درشتی سے بولیں۔

"آپ کے بیٹے کو چائے لے جاکر دی تو پھینک دی۔ دماغ ان کا آپ نے آسمان پر چڑھا دیا ہے۔ بھگت رہی ہوں' اچھی مصیبت ہے۔"

چچی ان کے طرز تخاطب پر خرم کی وجہ سے کچھ سراسیمہ ہوگئیں۔ عطیہ بھابھی پیر پٹختی چلی گئیں۔ چچی نے آہ بھری۔

"پتہ نہیں کب عقل آئے گی عطیہ کو' میں تو فہد کو بھی سمجھاتی ہوں مگر تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔"

آج چچی کافی فکرمند تھیں۔ خرم کا دل چاہا کہ خود چائے لے جاکر فہد بھائی کو منا کر پلا کر آئے۔ چچی سے کہہ بھی دیا انہوں نے منع کردیا۔

"اس وقت دونوں کے مزاج بگڑے ہوئے ہیں۔ اگر فہد من گیا چائے پی لی تو عطیہ کو غصہ آئے گا' تم رہنے دو۔"

چائے کڑوی' بدمزا اور ٹھنڈی تھی۔ دو گھونٹ پی کر وہ کھڑا ہوگیا۔ چچی کو سلام کرکے باہر آگیا۔ خاصی رات ہوچکی تھی۔ تمام اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں۔ ٹیکسی کا انتظار بھی اذیت ناک تھا اور فہد بھائی عطیہ بھابھی کے معاملات بھی کم نہ تھے۔ سوچ سوچ کر غصہ آتا رہا۔ ڈرائیور نے سر باہر نکالا اور کہا۔

"کدھر کے ارادے ہیں خرم بھائی!" زاہد تھا' بڑی پھپھو کا بیٹا۔

"تم کدھر جارہے ہو؟"

زاہد کی کم عمری اور اتنی بڑی کار کی ڈرائیونگ' اس کا چالان ہوسکتا تھا مگر دولت مند لوگ چالان کے متحمل کب ہوتے ہیں۔ جیب میں نوٹوں کی گرمی چالان کرنے والے کو بھی چپ کرادیتی ہے۔

"آیئے' میں آپ کو ڈراپ کردیتا ہوں۔"

"نہیں بھائی! مجھے گھر جانا ہے' ٹیکسی لے لوں گا میں' تم جاؤ۔"

"گھبرایئے نہیں' لائسنس ہے میرے پاس۔ آیئے۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔
خرم بیٹھ تو گیا مگر "یہ کدھر بھئی' مجھے میرے گھر پہنچانے کا وعدہ تھا' تم کہاں جارہے ہو۔"
"ارے بابا! اپنے گھر اور کہاں... وہاں سے گھر فون کردیجئے گا کہ میں یہاں موجود ہوں' مجھے تلاش کرنے کی زحمت نہ کی جائے۔"
وہ ہنسا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا' اپنے ماموں کے اصول اور حکم۔ دیر رات تک باہر رہنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔
پھپھو کی شان دار کوٹھی کا وہ بڑا سا گیٹ اور کم از کم چار گاڑیوں کی جگہ والا وسیع پورچ۔ پھپھو بہت خوش ہوئیں۔ بلائیں لینے لگیں۔ پھپھو کے گھر آکر خوامخواہ احساس کمتری ہونے لگتا۔ دولت اور بے تحاشا دولت سے خریدا ہوا ساز و سامان' قالین' فرنیچر' پردے' ڈیکوریشن کے بے شمار نوادرات' لاؤنج میں جگمگ کرتا شینڈز۔
پھپھو اسے اپنے کمرے میں لے آئیں' جہازی سائز بیڈ پر مخملی چادر پر بیٹھ کر الجھن سی ہوئی۔
"بڑے اچھے وقت پر آئے ہو' صامی کی سہیلیاں آئی ہوئی ہیں۔ صامی کبھی کبھی دعوت پر بلا لیتی ہے۔"
خرم جز بز ہوا' بڑے غلط وقت پر آگیا مگر وہ کب آنا چاہتا تھا۔
"پھپھو! میں چلتا ہوں' امی انتظار کررہی ہوں گی۔"
کھڑا ہوگیا۔
پھپھو نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔ "ٹھہرو' کھانا لگ رہا ہے' کھا کر جانا۔"
"پھپھو! میں... ابھی بھوک نہیں... چچا کے ہاں چائے پی کر آیا ہوں۔" (فکریں اندیشے کھا کر)
"ارے چھوڑو' پتا ہے مجھے کیا ملا ہوگا وہاں۔ کڑوی کسیلی چائے اور بھوبیکم کے نخرے' بدمزاجی' اس سے پیٹ کہاں بھرتا ہے۔ دل جل کر کوئلہ ہوجاتا ہے۔"
انہوں نے کھانا اپنے کمرے میں منگوالیا' بے حد لذیذ کھانا تھا۔ باتوں باتوں میں کھاتا رہا' بعد میں شرمندہ ہوا۔
"افوہ... بھوک نہیں تھی پھر بھی اتنا کھالیا۔ اب واک کرنی پڑے گی۔ چلتا ہوں' امی انتظار کررہی ہوں گی۔ آپ کو پتا تو ہے' ابا جان دیر سے گھر آنا برداشت نہیں کرتے۔"
"ہاں ہاں' معلوم ہے۔ تم فون کرکے بتادو' ورنہ تمہاری کچہری میں پیشی لگ جائے گی۔ زاہد تم کو چھوڑ آئے گا۔"
وہ لاؤنج میں آگیا۔
کھانے کے کمرے سے برتنوں کی کھنکھناہٹ کے علاوہ لڑکیوں کے کھنکتے سریلے قہقہے بھی رونق بکھیر رہے تھے۔ وہ امی کو بتا کر واپس آرہا تھا تو صامی کی کھنکتی ہوئی آواز آئی۔ وہ کسی لڑکی سے مخاطب تھی۔
"ارے ہاں' مون... وہ جو تمہارے گھر رشتے کے لیے آنے والے تھے' لڑکا کیسا تھا' ملیں تم اس سے؟"
"کہاں...؟ بھائی تو ان کے گھر جاکر پسند کرکے آگئے تھے' وہ صاحب آئے ہی نہیں۔ کیسے ملتی میں؟"
"ہائے' کیوں؟ کیوں نہیں آیا...؟ مل لیتا تم سے تو چٹ منگنی پٹ بیاہ پر آمادہ ہوجاتا۔" کئی لڑکیاں بول رہی تھیں۔
"بس سنا کہ زبردست کرکٹر ہیں مگر فائنل میں ہارنے کے بعد اب تک سوگ منا رہے ہیں۔"
یہ آواز اسی پہلی لڑکی کی تھی' خرم نے چونکنا ہو کر گردن گھمائی مگر رنگین آنچلوں' کالے' بھورے بالوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ بعد میں وہ کچھ بولی نہیں' جو خرم غور سے دیکھتا۔ "یہ یقیناً وہی لڑکی ہوگی' جس کے والد نے خرم کو لندن تعلیم کے لیے بھیجنے کی آفر کی تھی۔ کاش! دیکھ لیتا۔"
زاہد بڑبڑاتا آیا۔
"سب کھا پی کر چٹ کر گئیں۔ مجھے بھیج دیا مون باجی کو گھر چھوڑنے کے لیے۔ نہ روسٹ بچا ہے نہ تڑا کفل۔"
"زاہد! کہاں گئے تھے' مجھ سے کہتے میں بھی چلا جاتا۔"
"میرا خیال ہے میں ٹیکسی لے لوں' تم ابھی آئے ہو۔ اب پھر اتنی دور جاؤ گے۔"
"بیٹا! اب تم بھی اپنی کار لے لو۔" پھپھو کے مشورے۔
"پھپھو! اچھی سی جاب ملے گی تب کچھ ہوسکے گا۔"
"بہت ترقی کروگے تم۔ بھئی قناعت اچھی چیز ہے مگر اب ایسا بھی نہ ہو کہ جو ملے اسی پر اکتفا کرلو۔ جدھر سے بھی امید ہو' ادھر ہی کمائی کرنا۔ گھر کے دلدر دور ہوجائیں گے۔"
وہ پھپھو کو حیرت سے دیکھنے لگا جو بظاہر بے حد شفقت سے کہہ رہی تھیں اس سے۔ راستے میں اس نے پوچھ لیا۔
"کہاں گئے تھے تم کھانے سے پہلے؟"
"مون باجی کو ان کے گھر چھوڑنے۔ صامی آپی کی کلاس فیلو ہیں۔ ان کے گھر بھی بہت سختی ہے' ایک گھنٹے کی اجازت پر آئی تھیں اپنے بھائی کے ساتھ اس وعدے پر کہ میں خود پہنچانے جاؤں۔ کھانا بھی اچھی طرح نہیں کھایا

انہوں نے۔ شور کرنے لگیں کہ دیر ہوگئی' دیر ہوگئی۔ اندر گھر میں پہنچا کر آیا ہوں۔"
وہ ان لوگوں کی شرافت گھر میں پرانے طور طریقے اور کچھ پابندیوں کے متعلق بتانے لگا جیسے کہ لڑکیوں کا بلا اجازت کہیں جانا۔
"آج کے دور میں ایسی پابندیاں زحمت بن جاتی ہیں۔ یہ نیا دور سائنسی ترقی کا دور ہے' آزادی کا دور۔ ہم کمپیوٹر کے دور میں رہتے ہیں' باشعور ہیں' ہمیں پرانی زنگ آلود زنجیروں سے نجات چاہیے۔"
زاہد کافی جوشیلا مقرر تھا۔ اس کی ڈرائیونگ بھی کافی آزاد تھی۔ خرم کچھ سن رہا تھا' زیادہ ان سنی۔ آخر یہ مون کون ہے' اس نے یہ کہاں سے سنا کہ "میچ ہارنے کے بعد" کیا یہ وہی ہے اور جس کا ذکر ہے' کیا وہ میں ہوں؟ زاہد سے کچھ معلوم کرنا بے کار تھا۔ وہ تقریر کے موڈ میں تھا' اب وہ اپنے ماموں کے نظریات کے خلاف لیکچر دے رہا تھا۔ یعنی خرم کے ابا جان گھر آگیا۔ اس کے اصرار کے باوجود زاہد نہیں رکا۔ وہ ماموں کی چبھتی ہوئی نظروں سے ڈرتا تھا' گھبرا جاتا تھا' اسے باہر ہی اتار کر زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔
امی لاؤنج میں براجمان تھیں۔ (پوچھ گچھ کا مرحلہ)
"کہاں غائب تھے گھنٹوں کے لیے۔ ہوش ہے کہ نہیں۔" کمر پر ہاتھ رکھے حاکمانہ انداز' تولتی نظریں۔
"بتایا تو تھا' چچا کے گھر گیا' وہاں سے پھپھو کے گھر۔ زاہد زبردستی لے گیا۔"
"ہوں تمہارے جانے کے بعد... ادھر سے... مطلب لڑکی کے بھائی کا فون آیا تھا' تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"
"اور آپ نے ان سے کہہ دیا کہ میچ ہارنے کے غم میں سڑکوں پر گھوم رہا ہوں۔"
"خیر' یہ تو نہیں کہا۔ تم بتا کر گئے ہی نہیں تھے۔"
"آپ ابھی تک کیوں جاگ رہی ہیں' میں نے پھپھو کے گھر سے فون تو کردیا تھا۔"
"تمہارے ابا کو بھی جواب دینا ہے کہ تم کہاں کہاں آوارہ گردیاں کرتے پھر رہے تھے۔ ان کو پتا چل جائے کہ تم نے وہاں دعوت اڑائی ہے تو تمہاری حلق میں انگلی ڈال کر سب کچھ اگلوالیں گے۔ جانتے ہو پھر بھی..."
"اگر ابا جان کو کچھ معلوم بھی نہ ہوگا مگر آپ کے اتنی دیر تک یہاں بیٹھنے سے ضرور مشکوک ہوں گے۔ میں بچہ تو نہیں کہ کہیں گم ہوجاتا۔" وہ بھی چڑ گیا۔
"ارے بابا! وہ تو بہن کے گھر بھی مجبوری لے جاتے ہیں' ان کے گھر کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں' اس لیے بیٹھی رہی کہ تم کو سمجھا دوں۔ تم نہ ان کے سامنے کہہ بیٹھنا۔"
"مجھے معلوم ہے' کیا کہنا ہے' کیا نہیں۔ امی! یہ تو محض ضد ہے' ہم نہ جانے کہاں کہاں کھاتے پیتے ہیں' دوستوں عزیزوں میں۔ ہمیں کسی کے حلال حرام رزق کی کیا خبر۔"
"جن کی خبر ہے' ان سے احتیاط کرو۔ افسوس تو یہ ہے کہ تمہاری پھپھو اس پر فخر کرتی ہیں۔ ان کے جتنی دولت خاندان میں کسی کے پاس نہیں' جس گھر میں رہتی ہیں' ویسا شان دار گھر کسی کے پاس نہیں۔"
"تو... اس میں کیا شک ہے مگر... ہمیں ان کے جاہ و جلال سے کیا۔"
"ہمیں ان کے جاہ و جلال اور شان و شوکت سے کوئی مطلب نہیں مگر... وہ تم جیسوں کو ورغلانے کا کام خوب کرتی ہیں۔ خیر' مجھے تو یہ فکر ہوتی ہے کہ وہ صامی سے تمہاری شادی پر اصرار کررہی ہیں۔ کہیں تم... ان کے پھندے میں نہ پھنس جاؤ' ہرگز ہرگز اس کے لیے راضی نہیں اور تم... اسی لیے ہم تمہاری شادی کے لیے جلدی کررہے تھے۔ اگر کسی موقع پر تمہارے ابا جان کو یہ شک بھی ہوا کہ تم صامی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ پھر وہ کچھ بھی کرسکتے ہیں اور تمہاری پھپھو کی کوشش یہی ہے۔"
خرم سر ہلاتا رہا' بھلا اسے صامی سے کیا واسطہ۔ وہ ایک نک چڑھی' مغرور اور خود پسند' خود پرست لڑکی تھی۔ کم از کم ابھی خرم کا ذوق اتنا بھی گرا ہوا نہیں تھا۔
"امی! میں چچا کے گھر گیا تھا۔" اس نے اس موضوع سے توجہ ہٹانے کے لیے بتایا۔ "امی! وہاں تو بڑی ٹینشن ہے۔ چچی تو بہت پریشان ہیں۔"
امی کو خوشی ہوئی کہ یہ لاپروا اور بے نیاز نظر آنے والا ان کا بیٹا عزیزوں کو یاد تو رکھتا ہے۔
"امی! فہد بھائی اتنے غصے میں تھے' انہوں نے مجھ سے بات تک نہ کی' عطیہ بھابھی سے لڑتے رہے۔ وہ بھی دوبدو جواب دیتی رہیں۔"
"بس یہی خرابی کی جڑ ہے۔ دونوں فریق میں سے کسی ایک کو چپ رہنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔ اپنی وضاحت غصہ اترنے کے بعد کی جائے تو بات نہ بڑھے۔ تم اب جاؤ'

رات بہت ہوگئی ہے۔"

اپنے کمرے کی طرف بادل ناخواستہ جاتے ہوئے وہ سمجھوتے کے لفظ میں الجھا ہوا تھا۔ یہ ایک لفظ تھا یا عمل یا زندگی گزارنے کا اصول۔ چچی کے لہجے سے اذیت نمایاں تھی۔ انہوں نے شاید سمجھوتے سے زندگی کی تلخی کا اظہار کیا تھا یا انہیں اس کے ذریعے تلخ زندگی گزارنی پڑی اور یہ صرف عورت کے لیے ہی کیوں' مرد سمجھوتا کیوں نہیں کرسکتا۔ قربانی صرف عورت ہی کیوں دیتی ہے؟ ہمارے گھر میں کسی کی زندگی تلخ یا مشکل کیوں نہیں ہے۔ امی' ابا جان' صولت اور اعظم بھائی۔

فہد بھائی کی شادی کے ایک ماہ بعد اعظم بھائی کی شادی ہوئی تھی۔ کہیں کوئی چپقلش نہیں۔ صبح ان کے کمرے کا دروازہ کھلتا' صولت آگے' اعظم بھائی پیچھے نمودار ہوتے۔ ہنستے مسکراتے بشاش چہرے۔ اعظم بھائی اخبار پڑھنے لگتے۔ صولت ناشتہ بنانے کچن میں گھس جاتی۔ اعظم بھائی کبھی کوئی خاص خبر یا دلچسپ واقعہ بلند آواز سے اسے سناتے۔ صولت کی ہنسی کی جھنکار لاؤنج تک سفر کرتی۔ کیا انہوں نے بھی امی ابا والا افہام و تفہیم والا نسخہ آزمایا ہے یا ان میں بھی کسی سمجھوتے کا عمل دخل ہے' کبھی پوچھوں گا۔

پھپھو کے گھر کھانا کچھ زیادہ کھالیا تھا' لذیذ بھی تھا۔ کچھ بے چینی سی تھی۔ امی نے جو سنتے ہی بم دے مارا تھا۔ حرام کی کمائی اور یہ تو برسوں سے وہ سن ہی رہا تھا' حرام کی کمائی' رشوت کی کمائی' ہیرا پھیری کی دولت۔ ابا جان نے ان کے گھر کا رزق خود پر حرام کر رکھا تھا اور وہ.... دعوت کھا آیا۔ اف.... توبہ توبہ کرتے کرتے آخر نیند آہی گئی۔

☆ ☆ ☆

صبح بہت سویرے آنکھ کھل گئی' حرام کی کمائی۔ رشوت' ہیرا پھیری' سمجھوتہ' تعلیم پوری ہوچکی تھی۔ یونیورسٹی بند' ذہن پر کوئی بوجھ نہ تھا' نہ ہی کوئی مصروفیت۔ شاید اسی لیے وہ مشاہدے اور الفاظ تک سے متاثر ہو رہا تھا۔

لان میں آکر وہ گھاس پر ننگے پیر گھومنے لگا۔ شبنم میں بھیگی ٹھنڈی گھاس' کیاریوں میں پھولوں کی بہتات' آسمان پر پرندوں کے غول مستانہ وار ادھر سے ادھر فراٹے بھرتے یہ پرندے اوپر آسمان' نیچے زمین کو دیکھتے ہوں گے۔ کیسا محسوس کرتے ہوں گے' بہت لطف آتا ہوگا' فخر کرتے ہوں گے۔ اپنی طاقت پرواز پر۔ نیچے زمین پر چلتے پھرتے انسانوں کے غول انہیں حشرات الارض کی طرح نظر آتے ہوں گے۔ میں اگر پرندہ ہوتا' اپنے تاثرات زمین پر آکر بتاتا۔ ہنسی آگئی۔

زمین' آسمان' گھاس' پودے' پھول اور پرندے' تمام نظر آنے والی چیزوں پر غور و فکر ہوچکا اور ایک گھنٹہ بھی گزر گیا تو وہ لان میں لگے نل سے منہ ہاتھ دھو کر کپڑوں پر لگی مٹی جھاڑتا اندر آگیا۔

اعظم بھائی کھانے کی میز کے پاس کھڑے اخبار دیکھ رہے تھے۔ صولت کچن میں جاچکی تھی پھر وہ ٹرے میں کھانا اور ناشتے کی مختلف چیزیں لے کر آئی۔ ابلا ہوا انڈا' ساتھ ہی نمک کالی مرچ کی پینگوئن شکل کی شیشیاں' چمچہ کانٹا' آملیٹ پراٹھا' ڈبل روٹی مکھن' ہر چیز اس نے اعظم بھائی کے سامنے رکھی۔ پانی کا جگ گلاس لے آئی اور چائے تو پہلے سے رکھی ہی تھی۔

لگتا تھا آج صولت نے اعظم بھائی سے ناشتے کے بارے میں پوچھا نہیں تھا' اسی لیے ہر قسم کے لوازمات موجود تھے لیکن ایسا کیوں ہوا؟ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا' رات کو ہی یا صبح اعظم بھائی ناشتے کے بارے میں ہدایت جاری کردیتے تھے پھر سب اسی ناشتے کو کھانے کے پابند تھے۔

صولت اب جو آئی تو اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔ بے چاری کو شاید بھڑ نے کاٹ لیا ہے یا شہد کی مکھی نے۔ اعظم بھائی ابلے اور چھلے ہوئے انڈے کو انگلیوں میں گھما پھرا کر اس میں کوئی جن برآمد کرنے کی جگہ تلاش کر رہے تھے۔

صولت ان کی خالہ زاد تھی۔ بہت نیک' شائستہ اور فرماں بردار۔ خرم نے اعظم کی سنجیدگی اور صولت کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہا پھر صولت سے پوچھ لیا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔ کیسی پھیکی پھیکی لگ رہی ہو۔ چہرہ بھی کچھ پھولا ہوا ہے۔"

"دیکھا...." صولت کا چہرہ اعتدال پر آگیا' وہ چہکنے لگی۔ "میرے بھائی میرا چہرہ دیکھ کر پہچان گئے کہ میں اداس ہوں' ایک یہ ہیں۔ (آنکھ سے اعظم کی طرف اشارہ کیا) میری پروا ہی نہیں کرتے۔"

"یہ کہو نا کہ میک اپ کے بغیر چہرہ ایسا ہی لگتا ہے۔"

اعظم بھائی بولے اور انڈے کا معائنہ حسب سابق جاری رکھا۔

صولت اعظم بھائی کے "اندازے" پر مزید منہ سُجا کر بیٹھ گئی۔ چمچے سے پلیٹ کھٹکھٹانے لگی۔ خرم نے دونوں کے تاثرات نوٹ کیے۔

"صولت! سنو کیا تم بھی سمجھوتے کی زندگی پر عمل کر رہی ہو؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

بیک وقت صولت کے ہاتھ سے چمچہ' اعظم کے ہاتھ سے انڈا پھسل کر پلیٹ میں گرا۔ معظم اندر آرہا تھا' ٹھٹک گیا۔

تینوں خرم کو اچنبھے سے دیکھنے لگے۔

"کیا کہا تم نے؟" اعظم بھائی نے پوچھا' ان کی سمجھ میں نہیں آیا یا انہیں اس سوال کی توقع نہ تھی۔

"کچھ نہیں بھائی!" معظم کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"خرم بھائی نے یہ لفظ نیا نیا سنا ہے۔ بچے اسی طرح سیکھتے ہیں۔ رات بھی امی سے اسی بارے میں پوچھ رہے تھے۔ شاید سمجھوتہ ایکسپریس دیکھ لی ہے۔"

اعظم نے انڈا اٹھا کر صولت کی پلیٹ میں رکھ دیا۔ "تم کھالو۔"

"میں کیوں کھاؤں؟"

"گر گیا تھا۔"

"تو پلیٹ میں ہی گرا تھا۔" صولت جز بز ہوئی۔

"تمہیں طاقت کی زیادہ ضرورت ہے' اس لیے۔"

اعظم آملیٹ پلیٹ میں نکال چکا تھا۔ معظم نے موقع دیکھا اور پورا انڈا منہ میں بھر لیا۔ منہ بنا بنا کر چبا رہا تھا۔ صولت ہنستی ہی رہی۔ معظم کا مقصد بھی یہی تھا۔

"پھیکا' بے مزہ۔" منہ بنا کر کہہ رہا تھا۔

"خرم! میں آفس جارہا ہوں' تم صولت کو ڈیفنس لے جانا' خالہ نے بلایا ہے' میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" اعظم نے خرم کو حیران کردیا۔

"میں.... میں کیسے لے جاؤں۔ میرے پاس گاڑی واڑی نہیں ہے۔"

"ٹیکسی کرلینا' صولت کرایہ دے گی یا ابا جان سے گاڑی مانگ لو یار! تمہیں تو دے بھی دیں گے۔"

"آہاہا.... مجھے کیوں دے دیں گے۔ کبھی ایسا ہوا تو نہیں۔ آپ مانگیں' آپ کی بیگم کو لے کر جانا ہے۔"

"کیونکہ تم ابا جان کے چمچے ہو' ہم دونوں تو امی کے چمچے ہیں۔"

"واہ.... صولت مانگے۔" وہ ابا جان کا چمچہ کہلانے پر تیار نہ تھا۔

"میں مانگ لوں گی پھر واپسی....؟" صولت کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔

"میں واپسی میں لے آؤں گا۔" اعظم نے کہا۔ صولت فوراً گئی' خوش خوش واپس آئی۔ وی کا نشان بنایا۔

"جلدی تیار ہو جاؤ' ابا جان انتظار نہیں کرتے۔"

"میں صبح سے تیار ہوں۔"

"بغیر میک اپ کے جاؤ گی۔" اعظم حیرت زدہ تھا۔

"میکے جارہی ہوں' سسرال نہیں۔ آپ جائیں اب۔"

"اور میں.... میں واپس کیسے آؤں گا پیدل؟" خرم کو خیال آیا۔

"شکر ہے میرے پاس تو اپنی سواری ہے۔" یہ معظم تھا۔ شکرانے کے طور پر آسمان دیکھنا چاہا تو نظریں چھت سے ٹکرا گئیں۔

"میں بھی گاڑی لے لوں گا۔" وہ چڑ کر بولا۔ "جاب لگ جائے۔"

"اچھا.... اور اگر سنجیدگی سے کرکٹ میں حصہ ڈالا ہوتا تو قومی ٹیم میں لے لیے جاتے' چند ماہ میں گاڑی کیا ہیلی کاپٹر لے لیتے۔"

معظم نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ صولت ابا جان کے لیے دلیہ تیار کرنے کچن میں چلی گئی۔ امی ابا جان ناشتا دیر سے کرتے تھے۔

خرم تیار ہونے چلا گیا۔ گاڑی ابا جان خود ڈرائیو کر رہے تھے۔

ساتھ ہی سوالات جاری تھے۔ "ٹریفک قوانین جانتے ہو؟ واقف ہو اچھی طرح سے؟ کتنا تجربہ ہے؟ لائسنس ہے؟ کب بنوایا؟ کہاں سے بنوایا۔ ہاں ویسے موٹر سائیکل کے لیے بھی لائسنس ہوتا ہے۔"

"جی نہیں' مجھے موٹر سائیکل کا لائسنس نہیں لینا۔ میں نے جلد ہی گاڑی ملنے کی امید میں لائسنس بنوایا تھا۔"

"اچھا.... کیا بادشاہت ملنے والی ہے؟" وہ ان کا طنز پی گیا۔ ابا جان نے گاڑی روک لی۔

"فہد کھڑا ہے' میں اسے لفٹ دے دیتا ہوں۔ خرم پیچھے جاؤ' صولت تم آگے آجاؤ۔"

UrduPhoto.com

فہد پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ فہد بہت آرام سے خرم سے باتیں کرنے لگے۔ کل کی بدمزگی' لاتعلقی کا کوئی اثر چہرے پر تھا نہ لہجے میں۔ واہ..... ابا جان کو ان کے آفس اتارا۔ فہد بھائی کا آفس بھی نزدیک تھا' وہ بھی اتر گئے۔ ابا جان کی ہدایتیں احکامات سن کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔

"واہ بھئی..... فہد بھائی کا بھی جواب نہیں۔"

صولت نے فوراً" پوچھ لیا۔ "فہد بھائی کا جواب کہاں سے آئے گا۔ آپ کا جواب ہے کوئی؟"

خرم نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے فہد بھائی اور عطیہ بھابھی کے رویے' ان کے آپس کے اختلافات' چچی کی فکر اور سمجھوتے کی زندگی کے بارے میں اپنی الجھن اور تاثرات بیان کیے۔ صولت سنتی رہی پھر بولی۔

"خرم بھائی! عطیہ بھابھی کا اتنا زیادہ قصور نہیں ہے' انہیں خود شروع شروع میں فہد بھائی نے خراب کیا ہے۔ فہد بھائی نے عطیہ بھابھی کو غیر معمولی اہمیت دی' اتنا زیادہ اعزاز کا مستحق سمجھا' انہیں ایک پرنس کی طرح اونچے سنگھاسن پر بٹھایا' انہیں کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے' خود دوڑتے تھے۔ چائے لاکر پیش کررہے ہیں' کولڈ ڈرنک کا گلاس لیے کھڑے ہیں۔ وہ نخرے کررہی ہیں۔ یہ خوشامد کررہے ہیں۔ دیکھنے والوں کو شرم آتی تھی۔ اب جبکہ وہ اس سلوک کی عادی ہوگئی ہیں تو فہد بھائی انہیں عام عورت بنا دیکھنا چاہ رہے ہیں۔ جن کاموں سے انہیں منع کرتے تھے' ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ سلیقے دکھائیں۔ صولت خاصی خفا تھی۔

"تو کیا فہد بھائی جو ان کی عزت کرتے تھے۔ وہ غلط تھا۔"

"اب عزت افزائی کرتے ہیں۔ چیخ چلاکر' رعب جماکر۔"

صولت کا تجزیہ درست سہی۔ لیکن عطیہ بھابھی کا رویہ تو سب کے لیے ہی درشت تھا۔ اخلاق کی کمی تھی۔

"خرم بھائی! میاں' بیوی میں مساوات ضروری ہے۔ لیکن احترام بھی لازمی ہے۔ ضد' انا اور اکڑفوں اس رشتے کو کمزور کرتی ہے۔ مرد کی "میں" اگر غلط وقت پر اثر ڈالے۔ وہ بھی خراب رویہ ہے۔"

"یعنی' پھر وہی سمجھوتہ۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"سمجھوتہ اگر محبت کی وجہ سے ہو۔ مفاہمت کا مطلب سمجھوتہ نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کے ذہن تک رسائی ضروری ہے۔"

"تم کرتی ہو یہ سب۔" صولت کی ذہانت کا اعتراف بھی ہورہا تھا۔ اور اسے کریدا بھی جارہا تھا۔

"اوہو۔ میرا تو نہ ہی پوچھیں۔" وہ کھلکھلائی۔ "میں اعظم تو کیا۔ آپ، معظم اور خالو ابا کے ذہن کو بھی پڑھ لیتی ہوں۔ دیکھا آج میرا کارنامہ۔ وہ آپ کو گاڑی نہیں دیتے۔ میری سفارش۔"

خرم ہنس پڑا۔ یہ درست تھا۔ نہ جانے صولت کے پاس کون سا جادوئی چراغ تھا۔ وہ ہر کسی کو اپنا بنالیتی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ مجھے سمجھوتے کی ضرورت ہوگی۔" سوال کرتو لیا بعد میں پچھتایا۔ نہ جانے اب کون سے بخیے ادھیڑے گی۔ وہ سنجیدہ ہوگئی۔

"پتا نہیں' آپ کس سمجھوتے کی بات کررہے ہیں' محبت اعتماد' اور انصاف میں توازن' خرم بھائی۔ بیوی شوہر سے اپنے لیے مروت اور رعایت کی طلب گار ہوتی ہے۔ سختی یا اخلاف بھی..... توازن اعتدال چاہتا ہے۔"

"محبت نہیں؟"

"افوہ۔ وہ تو درجہ اوّل پر براجمان ہے۔"

"بہت ہی زیادہ سمجھ دار ہو' چلو' آئس کریم کھلاتے ہیں۔ تمہاری اس ذہانت کے اعتراف میں۔" گاڑی روک لی۔

"سوچ لیں۔ خالو ابا کو گاڑی وقت پر نہ ملی تو مجھ پر اعتبار ختم ہوجائے گا۔"

"نہیں ہوگا۔ اصل چچی تم ہی ہو ان کی۔"

"شکریہ اس عزت افزائی کا۔" وہ گاڑی سے اتری۔

آئس کریم پارلر میں خاصی خاموشی تھی۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بالکل ساتھ ہی میز کے گرد کرسیوں پر چند لڑکیاں آئس کریم اور کولڈ ڈرنک سے لطف اٹھا رہی تھیں۔ ایک بچہ بھی تھا۔ لڑکیوں کی آواز..... ان میں ایک آواز شناسا سی تھی۔ جیسے بہت قریب سے سنی ہو۔ خرم ٹھٹک گیا۔ کیا یہ وہی ہے؟ وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ لیکن ہال میں خاموشی کی وجہ سے لڑکیوں کی دبی زبان کی گفتگو بھی ان کی سماعت تک بہ آسانی پہنچ گئی۔

"لو۔ دیکھو۔ کتنا شاندار کپل ہے۔" اور یہ مون کہہ رہی تھی کہ خوبصورت مرد کی بیوی اس کے ٹکر کی نہیں ہوتی۔ حسین لڑکی کو اس کے مقابلے کا شوہر نصیب نہیں ہوتا۔ اب یہ خیال بھی صحیح نہیں ہوا۔ کبھی کبھار ایسا ہو

UrduPhoto.com

بھی جاتا ہے۔"

"ہاں۔ اگر تلاش کیا جائے اور کوئی آنکھ ایسی ہو' جو حسن کی پرکھ رکھتی ہو۔" یہ مون تھی۔

"اور دل۔ دل کا بھی نام لو۔ دل کی اجازت۔ دل کی لگی۔"

"بس۔ چپ رہو۔" کسی دوسری نے ٹوکا۔

"خرم بھائی! کیا خیال ہے۔ ان لڑکیوں کی غلط فہمی دور نہ کردوں؟" کرسی پر بیٹھنے کے بعد صولت نے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں اسی خیال میں رہنے دو۔" خرم نے کہا۔

صولت نے مڑ کر دیکھا۔ اب ان لوگوں کی نظریں دوسرے آنے والوں پر تھیں۔ صولت نے آئس کریم ختم کی تو دونوں کھڑے ہوگئے۔ مگر وہ لڑکیاں ابھی وہیں بیٹھی تھیں۔ باہر نکل کر خرم نے مڑ کر دیکھا۔ صولت ان لڑکیوں کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"آخر تم نے ان کو بتا ہی دیا۔" صولت کے بیٹھنے کے بعد خرم نے کہا۔

"جی ہاں۔ اپنا آپ کا رشتہ بھی۔ اور۔ یہ کہ۔ مون کو دعا بھی دے دی کہ خدا کرے آپ کو۔ آپ کے مقابلے کا شوہر ملے۔ سب نے آمین کہی۔ اور مجھے یہ لڑکی مون دیکھی ہوئی لگی۔ پوچھنے کا وقت نہیں ملا۔ ان کی خالہ آگئیں۔ ان ہی کی دعوت پر یہ لڑکیاں یہاں آئی تھیں۔"

صولت نے تفصیل بتائی۔ خرم سوچ میں گم ہوگیا۔ مون کو میں نے دیکھا نہیں' صرف سنا تھا اور زاہد کہتا تھا کہ ان کے گھر میں پابندیاں ہیں۔ میں سوچ رہا تھا یہ.... آزادی اور پابندی کا فارمولا اتنا مختلف کیوں ہے۔ اگر صولت نہ بتاتی تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا۔ لیکن خالہ کی آمد نے.... اسی طرح غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔

"میرا خیال ہے یہ لڑکی مون' صامی کی دوست ہے۔ میں نے اسے پھپھو کے گھر دیکھا تھا۔ بلکہ آواز سنی تھی۔" خرم نے اسے بتایا۔

"اچھا۔ میں دوبار پھپھو کے گھر گئی ہوں۔ میں نے تو صامی کو ہی نہیں دیکھا۔ نہ ہی اس کے بارے میں کچھ جانتی ہوں۔"

وہ صامی کے بارے میں صولت کو کیا بتاتا۔ یہ کہ وہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ اپنے گھر آنے والوں کو لفٹ نہیں کراتی۔ وہ خاندان والوں کو تو اپنے برابر کا سمجھتی ہی نہیں۔

ہاں' جب پھپھو کے ساتھ کسی رشتے دار کے گھر جاتی ہے تو اس کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ سب سے گھل مل کر باتیں کرنا۔ اپنی خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنا۔ اب تو سب ہی اس کی دورخی پالیسی سے واقف ہوگئے تھے۔

خالہ کے گھر اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ صولت کافی عرصے سے میکے نہیں آئی تھی۔ اعظم بھائی کی مصروفیت کے باعث۔

"آئس کریم ہم کھا کر آئے ہیں۔ چائے میں بے وقت پیتا نہیں۔" خرم نے ثروت کے پوچھنے پر بے نیازی دکھائی۔ "کوئی نئی چیز ہو تو میں بیٹھ جاتا ہوں' ورنہ' خدا حافظ۔"

ابا جان کا خوف بھی تھا۔ اس کا اظہار کیا نہیں۔ ثروت ٹرائفل لے آئی۔ صولت' ثروت دونوں بہنوں کو ٹرائفل بنانے میں مہارت حاصل تھی۔

آفس کے سامنے گاڑی کھڑی کرکے' چابیاں ابا جان کے حوالے کرنے وہ اندر جارہا تھا۔ یونہی نظر اٹھی۔ سامنے جوتوں کی دکان میں وہی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ (کیا یہ گھر نہیں جاتیں؟) تب ہی ایک طرف سے زاہد بھاگتا ہوا آیا۔

"خرم بھائی! گاڑی لے لی آپ نے؟"

"ابا جان کی ہے۔ صولت کو ڈراپ کرنے آیا ہوں۔ اب چابی دینے جارہا ہوں۔ ابا جان کو۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جواب دینے کے ساتھ سوال بھی کردیا۔

"مون باجی نے صامی آپی کو آئس کریم پارٹی میں بلایا تھا۔ وہ کسی بات پر ناراض ہوگئیں۔ مجھے بھیج دیا۔ لیٹ پہنچا۔ مگر آئس کریم مل گئی۔ اب وہ لوگ شاپنگ کر رہی ہیں اور میں ان کی چوکیداری۔"

"چوکیداری؟ تم کیوں کر رہے ہو؟"

"دراصل مون باجی کی خالہ کی بیٹی کی شادی ہے۔ اس سلسلے میں جوتے' پراندے' نہ جانے کیا کیا انہیں لینا ہے اور خالہ صاحبہ بینک تک گئی ہیں مجھے یہاں چھوڑ کر۔ لڑکیوں کی حفاظت۔" خرم اسے وہیں چھوڑ کر اندر بھاگا۔ ابا جان کو چابی دی' جو بغیر کسی اعتراض کے لے کر میز پر رکھ دی۔ ٹیکسی کے لیے پیسے مانگے۔

"یہاں سے ویگن سیدھی جاتی ہے۔" ٹکا سا جواب ملا۔

وہ منہ لٹکائے باہر آگیا۔ امی کی مہربانی سے کچھ نہ کچھ پیسے اس کی جیب میں ہوتے تھے۔ لیکن ابا جان سے مانگنا

اس کا حق تھا۔ اور اعظم بھائی کا خیال تھا کہ وہ ابا جان کا چمچہ ہے۔ ایسے ہوتے ہیں چمچے۔ جلتا بھنتا باہر آیا۔ زاہد کو موجود پایا۔

"کہاں بھاگے جارہے ہیں۔ رکیں تو سہی۔"

"گھر جارہا ہوں۔"

"ذرا رکیں۔ میں چھوڑ دیتا ہوں۔"

"کیوں۔ چوکیداری ختم ہوگئی۔"

"نہیں۔ اصل میں وہ مون باجی کی کزنز ہیں نا۔ مجھ سے پوچھنے لگیں۔ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے آپ کا نام لیا تو کہنے لگیں' ہمارا بھی تعارف کرواؤ۔ اصل میں وہ شاید آپ کو کچھ دیر پہلے آئس کریم کھاتے دیکھ چکی تھیں۔ صولت بھابھی کے ساتھ۔"

"تو.... یہ کوئی جرم ہے؟ اور مجھے لڑکیوں سے ملنے کا شوق بھی نہیں' تم جانتے ہو' امی گھر میں اکیلی ہیں' میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ ابا جان فون کرکے میرے پہنچنے کی تصدیق کریں گے۔"

"جانتا ہوں ماموں جان اصولوں کے پکے ہیں۔ ایک ہمارے پاپا ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی' ان کی اولاد کہاں ہے' کیا کر رہی ہے' بھائی دو بجے رات سے پہلے گھر میں نہیں گھستے۔ صامی آپی بھی مرضی کی مالک ہیں۔ اگر امی کسی کو ٹوک بھی دیتی ہیں تو جواب ملتا ہے۔ ہمیں اپنی مرضی سے جینے دیں۔ خرم بھائی! میں ماموں جان کی سختی کو غلط نہیں سمجھتا۔"

زاہد متفکر سا تھا' شاہد کے بارے میں کافی افواہیں تھیں۔ محترم شراب و کباب اور شباب کے رسیا تھے۔ خاندان والوں سے ملنا انہیں بھی گوارا نہ تھا۔ آئے دن نشے میں پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے۔ مگر' پھر.... آجاتے۔

"میں مون باجی کو چھوڑنے جاؤں گا۔ آپ بھی ساتھ چلیں۔"

خرم کے دل پر دستک ہوئی۔ پھر اس نے سختی سے دل کو منایا۔

"نہیں یار! امی اکیلی ہیں۔ میں ویگن سے چلا جاتا ہوں۔ تمہیں دیر ہوگی۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ لڑکیاں اب کسی اور دکان کے آگے کھڑی تھیں۔ ویگن آرہی تھی' گھر پہنچا' امی کچن سے نکل رہی تھیں۔

"کھانا بنالیا آپ نے' اتنی جلدی؟"

"میں اور تم ہی تو ہیں۔ رات میں بھی ہم ہوں گے۔"

امی تفصیل بتانے لگیں۔ تم سناؤ۔ عفت' صولت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہوگی۔"

"ہاں۔ کچھ زیادہ ہی' امی کیا بیٹیاں زیادہ پیاری ہوتی ہیں؟"

"ہاں بیٹا! بیٹیوں کی محبت جدائی سے لپٹی ہوتی ہے۔ اس محبت میں حسرت بھی ہوتی ہے۔ پہلے تو عفت میرے گھر بہت آیا کرتی تھی۔ اب صولت کی شادی کے بعد فاصلے ہوگئے۔"

امی کچھ اداس تھیں۔ انہیں اپنی ننھی منی گڑیا یاد آگئی تھی۔ چھوٹی سی فائقہ۔ ماموں کی اولاد نہ تھی' مامی نے بہت خوشامد کی۔

"آپا! جو بھی بچہ ہو' لڑکا یا لڑکی' مجھے دے دیں' آپ کے پاس ماشاءاللہ کمی تو نہیں۔"

ماموں کی محبت' مامی کی التجائیں۔ ہر روز' ہر روز آکر آنسوؤں سے روتیں۔ امی پتا نہیں کس طرح راضی ہوئیں۔ فائقہ پیدا ہوئی' اور ماموں کے گھر میں خوشیوں کی بارات اتر آئی۔ دو دن کی بچی' مامی لے کر چلی گئیں۔ اور کچھ اس کی قسمت سے ماموں کی تو جیسے لاٹری نکل آئی۔ انہیں سعودی عرب میں جاب مل گئی' وہ گئے' پھر صامی بھی اپنی بیٹی کو لے کر چلی گئیں۔ ماموں فائقہ کو مبارک سمجھتے تھے۔ اسی کی برکت سے مامی کو شادی کے پندرہ سال بعد دو بیٹے پیدا ہوئے۔ امی نے فائقہ کو واپس مانگا۔ مامی سن کر ہی بیمار ہوگئیں۔ ان کے گھر کی برکت' ان کی آنگن کی رونق' اس کی آمد نے ان کے گھر میں خوشیوں کے انبار لگادیے تھے۔ اس سے محرومی کہیں انہیں کسی دکھ سے آشنا نہ کردے۔ پھر وہی خوشامدیں' رونا دھونا' اس بار ابا جان نے ماموں کا ساتھ دیا۔ فائقہ وہیں رہی۔

"صولت کی شادی کے بعد فاصلے کم ہونا چاہیے تھے' امی!"

خرم نے موضوع بولا' وہ امی کو اداسی کے جال سے نکالنا چاہتا تھا۔ فائقہ کے ذکر پر ہمیشہ امی اداس ہوجاتی تھیں۔ حالانکہ ہر سال ماموں اسے لے کر آتے اور اسے چھوڑ جاتے۔ مگر اس کا دل لگتا نہیں تھا۔

وہ ایسے کہ پہلے تو یہ گھر عفت کی بہن کا گھر تھا۔ دھڑلے سے آتی۔ فرمائشیں کرکے کھانے پکواتی تھی۔ بچیاں پورے لان میں چھلانگیں لگاتیں اب.... یہ گھر صولت کی

Urdu Photo.com

سسرال ہے' عفت کا سمدھیانہ' محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"بائیں۔ کس بات سے محتاط رہنا پڑتا ہے؟" امی بھی نئے نکتے نکالتی تھیں۔

"لوگوں سے' دنیا سے' خود اپنی ذات سے' بیٹی کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے' خیر' تم چھوڑو۔"

امی کی یہ اچھی عادت تھی' وہ کوئی مسئلہ خود پر سوار نہیں کرتی تھیں۔ کسی مشکل سے گھبراتی نہیں تھیں۔ حل تلاش کرتی تھیں۔ بات کو جلدی ختم کرنا چاہتی تھیں۔

"اب تم کوئی جاب تلاش کرو۔" (چلو جی اب یہ دوسرا معاملہ' جو کہ خاصا نازک تھا۔) "تمہارے ابا جان تو سفارش کریں گے نہیں' تم کو خود ہاتھ پیر مارنے ہوں گے۔"

"امی! رزلٹ کے آنے تک مجھے آرام کرنے دیں۔ میں ہاتھ پاؤں' ناک کان سب کچھ بلکہ زبان بھی مار لوں گا' فکر نہ کریں۔"

"اب تو سنا ہے رزلٹ کے آنے سے پہلے بھی جاب کی آفر ہو جاتی ہے۔" (افوہ امی کی معلومات۔) "اور بلکہ رزلٹ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تم کچھ کرتے نہیں' معظم کو دیکھو۔ کیسے اِدھر اُدھر سے کام پکڑتا ہے۔ اب شام سے رات تک ایک میڈیکل اسٹور میں جاب کر رہا ہے۔ اپنا خرچہ نکال لیتا ہے۔"

معظم واقعی قابلِ تعریف ہے۔ ماننا پڑتا ہے' بہت ذہین اور حساس ہے۔ کمرے میں تنہائی اور بے سکونی تھی۔ یہ زاہد کی مون باجی... صبح سے گھر سے نکلی ہوئی ہیں۔ ان کے گھر والے پوچھتے نہیں؟ کہاں ہو؟ اور وہ مجھ سے کیوں تعارف چاہتی تھیں۔ مان نہ مان' میں تیرا مہمان۔ ویسے ایمان اور انصاف کی بات ہے۔ آواز بہت سریلی اور رسیلی ہے۔ کوئل کی کوک سے مشابہ' غور سے دیکھا نہیں' مگر ایک نظر میں... صورت بھی اچھی لگی۔ صولت کے خیال میں وہ حسین ہے' چلو' زاہد کے بقول' ان کے گھر والے تو پرانے خیالات کے ہیں۔ واہ بھئی' صاحبزادیاں' اس مارکیٹ سے اس مارکیٹ ماری ماری پھر رہی ہیں۔ شاپنگ' یہ بھی خوب بہانا ہے۔ چلو چھوڑو' ہمیں کیا' اور یہ سمدھیانے والا کیسا عجیب معاملہ ہے۔ سگی بہنیں' محتاط ہو گئیں' کس طرح' اوہو! اب جاب بھی کرنا پڑے گی۔ بہت عیش کر لیا۔ شاور کے نیچے پانی کے بہاؤ کے ساتھ کرکٹ کی رننگ یاد آ گئی۔ اگر کرکٹ میں کامیابی ہوتی' کام بھی نام بھی عزت شہرت بھی' اس دن تو ناکامی کا پرندہ اس کے سر پر آ بیٹھا تھا۔ اسی لیے... کوشش ناکام ہوئی' دل بھاری ہو گیا' باہر نکلا تو امی کی آواز آئی۔

"اب آ بھی جاؤ۔ کتنا نہاؤ گے' تمہیں بھی نہانے کی بیماری ہے۔ صبح نہانا' شام نہانا' بے کاری میں کام' نہانا۔" امی کا ذوق شعر۔ مکروہ مٹر اور گوبھی کا ڈھیر لیے بیٹھی تھیں۔

"آ جاؤ۔ یہ میٹر چھلوالو۔"

"میں؟ میں چھلوالوں؟" حیرت سے دم بخود ہو گیا۔

"ہاں۔ کیوں' معظم چھیلتا ہے۔ تم کیوں نہیں' خالی وقت میں دماغ شیطان کا گڑھ ہوتا ہے۔ اصلاحی کاموں میں وقت لگاؤ' اوٹ پٹانگ سوچنے سے بہتر ہے' صاعقہ دے گئی تھی' سستے ملے تو لے آئی۔"

اصلاحی کام۔ شیطان کا گڑھ۔ اوٹ پٹانگ سوچیں' امی کیا دماغوں میں گھس کر پڑھ لیتی ہیں؟

"گوبھی کے پتے بھی توڑ دینا۔ مجھے بہت کام ہے' چھل جائیں تو سبزی فریز کر لوں اور ہاں' چھیلتے میں کھانا مت' بہت مہنگے ہیں۔" انہوں نے اسے گھورا۔

"ابھی کہہ رہی تھیں' سستے ملے ہیں۔"

"بازار کی نسبت سستے ہیں۔ ویسے تو مہنگے ہی ہیں' بائیں' تم کھاتے رہو گے تو بچیں گے کیا؟" انہوں نے اس کے ہاتھ پر جھپٹا مارا جو چھلے ہوئے دانے منہ تک لے جانے والا تھا۔ دانے زمین پر گر کر بکھر گئے۔ خرم کو ہنسی آ گئی۔

"امی! میں بھولے سے۔"

"اوہو! اسے کہتے ہیں' طمع کے تین حرف تین خالی۔" افسوس امی کے چہرے پر بھی لکھا ہوا تھا۔ لہجہ تو تھا ہی پر درد' دانے زمین پر تھے۔

"اچھا۔ اسے کہتے ہیں؟ مٹر کے دانوں کو؟"

"نکمے ہو۔ معظم سارے دانے نکال دیتا۔ ایک بھی منہ تک نہیں جاتا اس کے۔" ہائے امی کا افسوس' معظم کی لیاقت۔

"امی! آپ کو بھی مہنگے سستے کی فکر ہوتی ہے؟" بات ٹالنے کے لیے موضوع بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات خرم کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ "میرا مطلب ہے' ابا جان کی مضبوط پوزیشن ہے۔ اعظم بھائی ماشاء اللہ اچھی پوسٹ پر ہیں۔ معظم بھی بقول آپ کے۔ اپنا خرچہ نکال لیتا ہے تو پھر یہ بچت' یہ فکر کیوں؟"

"یہ بھی کہو کہ ایک تم خود ہی نکمے خالی بیٹھے ہو۔ اسی کی فکر ہے مجھے۔ ارے بچے! زندگی بہت مہنگی ہو گئی ہے۔ حق

حلال کی کمائی میں برکت الحمدللہ بہت ہوتی ہے۔ مگر جب ہر چیز کی قیمت آسمان سے لگ جائے تو محدود کمائی کے ہوتے ہوئے اپنی کھال میں مقید رہنا پڑتا ہے۔ چادر کی وسعت کے مطابق اور مہنگے سستے کی فکر نہ کروں تو چادر چھوٹی پڑ جاتی ہے۔ یہ حلال رزق' ایمان کی کمائی' نعمت ہے' ذرہ ذرہ رزق کا پلکوں سے اٹھانا پڑتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑ جائے۔"

"توبہ کریں۔" بلبلا گیا۔ "ہاتھ خدا نہ کرے کیوں پھیلائیں گے ہم۔ استغفار' کیسی باتیں کر رہی ہیں امی" دل گھبرانے لگا تھا۔

"ارے بابا! ہاتھ پھیلانے کے دس طریقے ہیں۔" امی اسے کسی ٹیچر کی طرح لگیں۔

"مثلاً"۔ رشوت' ناجائز آمدنی' کسی امیر گھر کی بیٹی سے شادی۔ جس کے لیے آفر ہوتی ہے' کوٹھی' کار' ہیرے کی انگوٹھی' لاکھوں کی سلامی' وغیرہ' ڈرتی ہوں کسی ایسے ہی پھیر میں نہ پڑ جاؤ تم' بہت ذلیل ہونا پڑتا ہے۔"

بہت حیران کن انکشافات امی نے کیے تھے۔ وہ گم صم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ دنیا کے بازار میں کیا ہو رہا ہے' اسے کچھ علم نہ ہو سکا۔ چچا' چچی کی زندگی' جھوٹے کی نذر ہو گئی۔ چچا نے چچی سے شادی ان کے باپ کی دولت کے لالچ میں کر لی۔ کافی عرصہ سسر کے پیسے سے عیش کیا۔ سسر کی وفات کے بعد کاروبار ان کے بیٹوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ چچا وظیفہ بند' چچی سے اختلاف عروج پر' اور یہ واحد چچی کا کارنامہ تھا کہ وہ چچا کی سختی برداشت کرتی رہیں۔ مگر ان کے مطالبے پر بھائیوں کے پاس ہاتھ پھیلانے نہیں گئیں۔ بچوں کی خاطر بے غیرت شوہر سے تعلقات نبھائے۔ خاموشی سے دکھوں کی سِل سینے پر رکھے شوہر کی خدمت کرتی رہیں۔ حالات دگرگوں ہوتے گئے' چچا کو بے کاری کی عادت ہو چکی تھی۔ بچوں کے اسکول کے اخراجات۔

"پھر... تمہارے ابا جان نے ان کو ایک دکان کھلوا دی۔ ایک لڑکا ملازم رکھا۔ اور خود اس دکان کا حساب جا کر دیکھ آتے ہیں۔ تمہارے چچا بے غیرت ضرور ہیں۔ مگر بھائی سے ڈرتے بھی ہیں' مجبور' ضرورت اور مفت کے پیسے سے مایوسی نے ضرورت کو مجبوری بنا دیا۔ اب فہد اور عطیہ کسی نئے راستے پر چلنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ فہد اور عطیہ کی پسند کی شادی اب ناپسندیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ رحم کرے۔"

مٹر چھل گئے۔ گوبھی کے پتے الگ ہو گئے اور یہ سب امی نے خود کر لیا۔ وہ تو منہ کھولے ان کے انکشافات پر انگشت بدنداں تھا۔ اس کی دنیا تو علم تک محدود تھی۔ اس سے زیادہ دنیا کو جاننے' سمجھنے والا تو معظم تھا۔ جو اس دنیا میں جگہ بنانے' قدم جمانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ جو ایک عدد سائیکل پر ہی نازاں تھا۔ باپ کی مضبوط پوزیشن کے باوجود ایک سائیکل پر اکتفا کرتے ہوئے شاید اس دنیا سے مقابلے کے لیے خود کو ہر قسم کے حالات کا بہادری سے سامنا کرنے کی تیاری اور اعظم بھائی جو موٹر سائیکل پر بیوی کو ہر جگہ لے جانے میں شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔ جبکہ گھر میں ایک کار موجود ہے۔ جو صرف ابا جان کے تصرف میں رہتی ہے۔ گھر کا نظام بڑے تسلسل اور ترتیب کے ساتھ امی کی قوتِ برداشت اور سب لوگوں کے تعاون سے چل رہا تھا۔ کسی کو کسی سے شکایت نہ تھی۔ اب خرم نے باقاعدگی سے اخبار دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اسے بھی برسرِ روزگار ہو کر اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا شوق ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

آخر اس کا انتظار ختم ہوا' رزلٹ آ گیا۔ شاندار رزلٹ نے اس کے میچ کی ہار کا غم مٹا دیا۔ اس کے ساتھ ہی جاب کی آفر بھی آ گئی۔ معظم اور صولت نے اس کی کامیابی کا جشن منایا۔ صولت نے ثروت کو بھی بلا لیا تھا۔ دونوں بہنیں کچن میں گھسی نہ جانے کیا کیا بناتی اور پکاتی رہیں۔ نتیجہ یہ کہ شام کو ٹیبل انواع اقسام کی نعمتوں سے سج گئی۔ معظم کچن کے چکر لگاتا رہا' شام کو چچی' فہد اور سعد آ گئے۔ خالہ تو صبح سے ہی آئی ہوئی تھیں ثروت کے ساتھ۔

امی اور خالہ بڑی فرصت سے باتیں کر رہی تھیں۔ پھر چچی بھی آ کر شامل ہو گئیں۔ ابا جان بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک تھے۔ خوش تھے۔ کھانے کے بعد ابا جان' فہد کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گئے۔ چچی اور امی اور خالہ لاؤنج میں بیٹھی رہیں۔ نوجوان پارٹی نے ڈرائنگ روم میں ڈیرہ جمایا اور ڈیک پر گانے لگا کر معظم اور سعد نے ڈانس کیا۔ اعظم اور صولت نے بھی کمال دکھایا۔ کافی رات ہو گئی' ثروت امی کے ساتھ چلی گئی۔ خرم نے چاہا کہ وہ چچی وغیرہ کو چھوڑ آتے ہیں۔

UrduPhoto.com

اور خرم نے پھر عہد کیا کہ بہت جلد گاڑی لے لے گا' معظم نے سن کر کہا۔

"اس میں تو دیر لگے گی۔ بھائی! تم صبا سے شادی کرلو۔ چٹکی بجاتے کار معہ ڈرائیور۔ بیوی معہ فرنشڈ بنگلہ' ہنی مون کے لیے سوئٹزرلینڈ کے لیے ایرلائن کے ٹکٹ معہ ہوٹل کے اخراجات۔ شاپنگ کے لیے لاکھوں کی سلامی۔ خود کشی کے لیے ہیرے کی رنگ۔"

خرم نے اسے گھور کر دیکھا۔ "میں کوئی معذور ہوں۔ اپنے دست بازو سے کما کر سب کچھ حاصل کروں گا۔"

"دست بازو میں عقل بھی شامل کرلینا۔ جس سے تم عاری ہو۔" معظم بھائی تھے۔ گویا سب اسے بے عقل سمجھتے تھے۔ چچی کی لائی ہوئی مٹھائی کا ڈبہ کھول کر خرم نے کھانا شروع کردیا۔ آخر عطیہ بھابھی کیوں نہیں آئیں۔ کیا وہ ابھی تک بدمزاجی کے دور میں ہیں۔

"پہلی تاریخ سے تمہاری نوکری شروع ہورہی ہے۔" امی نے خرم کو جتایا۔

"اس لیے چچا سے جاکر مل آؤ۔ چچی کے پاس بھی بیٹھنا۔ بہت پریشان ہیں وہ۔" معظم نے خرم کی بچی ہوئی مٹھائی کھاتے ہوئے معنی خیز نظروں سے اعظم کو دیکھا۔

"نوکری؟ خانساماں کی؟ یا....."

امی نے معظم کو تھپڑ رسید کیا۔ "چلو' اٹھو' میز سمیٹو' کاہل۔"

"بیرے کی نوکری فی الحال تمہارے پاس ہے۔" خرم نے اسے چڑایا۔

☆ ☆ ☆

ایک کیک لے کر وہ اگلے دن ہی چچا کے گھر جا پہنچا۔ چچا گیٹ پر ہی مل گئے۔ ڈبہ اس سے لے کر جہاں جارہے تھے۔ چلے گئے۔ بات کرنے کا ان کے پاس ٹائم نہ تھا۔ خرم حیران کھڑا رہ گیا۔ پھر اندر آیا۔ بکھری ہوئی کرسیاں ترتیب سے رکھیں' میز برآمدے میں لے آیا' جو لان میں پڑی تھی' ایک گملا جس کا پودا سوکھ چکا تھا۔ اسے سیدھا کیا' گیلری کے دروازے پر دستک دی' جو حسبِ معمول کسی نے نہیں سنی' کھنکارتا ہوا لاؤنج میں آیا' وہاں' وہی پچھلے سال والا سین دہرایا جارہا تھا۔

فہد بھائی اسی طرح چیخ رہے تھے۔ عطیہ بھابھی ہاتھ ہلا ہلا کر دوبدو بحث کررہی تھیں۔ چچی تخت پر سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ ہاں' ایک فرق تھا۔ آج ان کا ڈیڑھ سال کا صحت مند بیٹا درمیان میں موجود تھا۔ جو شور شرابے سے بے نیاز دو قدم چلنے کی کوشش میں لڑکھڑا کر گرتا' پھر قہقہے لگاتا ہوا کھڑا ہوتا' ڈگمگاتا ہوا قدم آگے بڑھاتا اور پھر گرتا۔ سب سے کمال تو اس کے قہقہے تھے۔ جو وہ اپنے ہی گرنے کے نتیجے میں لطف اندوز ہوکر آزادی سے استعمال کررہا تھا یا شاید وہ اس شور میں ہی اپنے کمال دکھاتا تھا۔ پبلک کے شور کو اپنے ہنر کی تعریف سمجھ کر۔

خرم نے اس ہنستے ہوئے گول گپے کو گود میں اٹھالیا اور چچی کے پاس بیٹھ گیا۔ بچہ اس کے بالوں کو مٹھی میں دبا کر کھلکھلا رہا تھا۔ خرم کو اس ماحول سے خود ہی شرمندگی ہورہی تھی۔ اور فہد بھائی کی بے حسی کا اندازہ بھی۔ جو اس حسین تحفے کی موجودگی میں بھی بے تکان اپنا غصہ اگل رہے تھے۔

قصور کسی کا بھی ہو' گھر کے ماحول میں یہ تلخی' کسی کے لیے بھی اچھی نہیں اور فہد بھائی تو بچپن میں اس قدر خوش مزاج تھے' ہنس مکھ اور کھلنڈرے' یہ مزاج کی تبدیلی تو شادی کے بعد ہوئی تھی۔ آج ان کا بیٹا' ماحول سے بے نیاز' قہقہوں کی مشین بنا ہوا ہے' اسے معلوم نہ تھا' آئندہ زندگی میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے' اسی طرح جیسے خرم نہیں جانتا تھا کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے' سب اسے بے عقل سمجھتے تھے' لیکن اتنی عقل تو اس میں تھی کہ اپنی زندگی کو تلخیوں سے کس طرح بچانا ہوگا' برداشت' سمجھ داری' ضبط اور تحمل' فہد بھائی نے شاید کوشش کی بھی ہوگی' یا.... وہ غصے میں لال چہرہ لیے دروازے کی طرف بڑھے تو خرم نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پچھلی بار کی طرح۔ اس بار بھی انہوں نے خرم سے بات کرنا گوارا نہیں کی تھی۔ مگر خرم کو احساس دلانے کے لیے انہیں متوجہ کرنا پڑا۔

"فہد بھائی! آرام سے بات کریں۔ غصہ حرام ہے' پلیز۔"

ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ عطیہ بھابھی نے درمیان میں ہی بات کاٹی۔

"ہاں۔ یہ انہیں اچھی طرح سمجھادو۔ ہر وقت غصہ کرتے ہیں' سیدھے منہ بات کرنا نہیں جانتے۔ جاہل انسان!" وہ غرائیں۔

"بھابھی! میں فہد بھائی سے بات کررہا ہوں۔ آپ سے نہیں۔" خشک لہجے میں کہا۔

"یہ۔ یہ عورت.... معلوم نہیں کس بات پر غرور کرتی ہے۔" فہد بھائی آرام سے بات کرنے کا مطلب کچھ اور ہی سمجھے۔ ان کا لہجہ ویسا ہی آتشیں تھا۔

"خدا کی قسم! اگر اس بچے کا خیال نہ ہوتا۔ تو.... کب کا اسے باہر کا راستہ دکھادیتا۔ مگر.... اس معصوم پر ترس آتا ہے مجھے' میں اسے ماں' یا باپ سے محرومی کی سزا دے کر گناہ گار نہیں کہلانا چاہتا۔"

شکر ہے فہد کو بچے کا تو احساس تھا۔ مگر عطیہ بھابھی نے واویلا شروع کردیا۔

"دیکھا۔ دیکھا بچے کی ذات کو درمیان میں لاکر مجھے بلیک میل کررہے ہیں۔ یہ ہے تعلیم یافتہ' خاندانی مرد کا کردار' اور پھر خود کو شریف کہتے ہیں۔ مجھے کم نہ سمجھنا' میرا خاندان بھی بہت اسٹرانگ ہے۔ مزا چکھادوں گی۔" ان کا لہجہ خاصا تہدید آمیز تھا۔

"بھابھی! ابھی میں نے آپ سے کیا کہا ہے؟" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا ہے۔ میں فہد بھائی سے بات کررہا ہوں۔ آپ سے نہیں۔ جب آپ سے بات کروں تو آپ جواب دیں' دوسری بات یہ کہ مردوں کے درمیان عورتوں کی دخل اندازی پسند نہیں مجھے۔ آپ کو اب تک شرافت کا قائل ہوجانا چاہیے تھا۔ خیر' فہد بھائی آپ تو ہمارے گروپ کے بہت خوش مزاج اور زندہ دل ہستی تھے۔ ایک دم شادی کے بعد' یہ تبدیلی' کیا خاص وجوہات ہوسکتی ہیں۔"

اس نے مڑ کر عطیہ سے کہا۔ "بھابھی! ابھی آپ کی بھی سنوں گا۔" اور حیرت ہوئی عطیہ جیسے ڈر گئی تھی' کچھ شرمسار بھی تھی۔

"فہد بھائی! اگر آپ اپنے مسائل' اختلافات' اپنے بیڈ روم میں حل کرلیا کریں تو آپ گھر کے ماحول کو پرسکون رکھ سکتے ہیں۔ پوری دنیا کو یہ تماشا دکھانا ضروری تو نہیں۔ گھر کے دروازے بھی چوپٹ کھلے رہتے ہیں۔ بچی پر آپ کے اس شور شرابے کا کیا اثر ہوتا ہے۔ آپ کو احساس ہونا چاہیے۔ ان کی عمر آرام کرنے اور پرسکون رہنے کی ہے۔ گھر کے اس کھنچاؤ کے ماحول سے وہ بے چین ہوجاتی ہیں۔ آپ کے گھر کی برکت چچی کے دم سے ہے۔ ان کو آرام پہنچانے کے بجائے آپ انہیں دکھ پہنچا رہے ہیں۔"

فہد چپ رہا۔ عطیہ نے ساس کی طرف دیکھا' وہ ابھی تک دم بخود تھیں۔

"اور یہ بچہ' ابھی ناسمجھ ہے' کیا اسی طرح کے مظاہرے دیکھ کر جوان ہوگا؟ کیا بڑا ہوکر بچپن کے ان واقعات کا اس کے ذہن پر اثر نہ ہوگا۔ کیا بنانا چاہیں گے آپ اسے' ضدی' کج بحث' آپ نے تو چچی' چچا کو کبھی لڑتے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ تو آپ لوگوں کو لڑتا دیکھ کر حیران ہوتے ہیں' آپ انہیں خوشیاں فراہم نہیں کرسکتے تو دکھ بھی نہ دیں' پلیز۔"

خرم خود حیران تھا۔ وہ کبھی کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا۔ دراصل اسے کسی بھی بات کا اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا' لیکن.... گھر میں بدنظمی' سلیقے کا فقدان' چچی کی فکر' پریشانیاں' بے حسی میں تو چچا کا کردار بھی اہم تھا۔ مگر وہ لڑنے' جھگڑنے والے نہ تھے۔ طنز و تضحیک سے کام چلا لیتے تھے۔

"فہد بھائی! مجھے معاف کیجیے۔ میں چھوٹا ہوکر نصیحت کررہا ہوں۔ مجھے چچی کا اور اس معصوم بچے کا خیال آتا ہے تو افسوس ہوتا ہے۔ اس بچے کو اچھی تعلیم تو آپ دلوادیں گے۔ مگر تربیت کیسے' اور کیسی دیں گے؟ بہترین تعلیم سے بہترین تربیت زیادہ اہم اور مضبوط ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے۔ آپ دونوں اس پر غور کریں۔"

خرم ڈر رہا تھا کہ دونوں میاں' بیوی اب اس پر چڑھ دوڑیں گے۔ مگر فہد بھائی سر جھکائے کمرے سے باہر چلے گئے۔ عطیہ بھابھی کرسی کے ہتھے پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ خرم' چچی کے پاس بیٹھ گیا۔ بچے کو گود سے اتار دیا۔ وہ ماں کی طرف چلا گیا۔

"چچی! کیا بات ہے۔ کیوں اتنی پریشان ہوتی ہیں' خود کو سنبھالیں' دل مضبوط کریں' ابھی تو دو بہوئیں اور بھی آنے والی ہیں۔ ماحول یونہی بدلتا رہا تو آپ تو بیمار ہوجائیں گی۔ کیوں عطیہ بھابھی! ٹھیک کہہ رہا ہوں میں؟"

وہ شوخی سے عطیہ کو دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ بھڑک جائیں گی۔ فہد بھائی پر الزامات کی بوچھاڑ کردیں گی' مگر' وہ بالکل خاموش رہیں' پھر بولیں تو آواز پست تھی۔

"خرم! اب تم نے احساس دلایا ہے تو.... خیال آتا ہے' میری بھی غلطی ہے' لیکن شروع سے مجھے فہد نے...."

"بس۔ بس بھابھی! اب آپ کچھ نہ کہیں' آپ نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ یہ آپ کی بڑائی ہے۔ اب اگر اس

UrduPhoto.com

قسم کی غلطی کو نہ دُہرائیں تو آپ کی فتح ہوگی۔"
خرم نے انہیں روک دیا۔ چچی کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ وہ بھابھی کے پاس جاکر ٹک گئیں اور بھابھی کو سہلانے لگیں۔
"مجھے معلوم ہے بیٹا! غلطی دونوں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ میں فہد کو بری الذمہ نہیں سمجھتی۔ اسے بھی برداشت کرنا چاہیے۔"
"چچی! یہ تو درست ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ غلطی بھی دونوں کی ہوتی ہے۔ پھر برداشت صرف فہد بھائی ہی کیوں کریں۔ عطیہ بھابھی گھر کی اہم رکن ہیں' بچے کی وجہ سے ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔ لیکن عورت ہونے کی نسبت سے گھر کی دیکھ بھال اور ماحول خوشگوار بنانا بھی ان کا فرض ہے' فہد بھائی کتنے خوش مزاج تھے۔ وہ کیوں تلخ ہوگئے ہیں۔"
چچی اٹھ کر خرم کے پاس آئیں' مسکرا کر بولیں۔
"اے لڑکے! یہ نصیحتیں کہاں سے سیکھیں؟ بوڑھی روح۔"
"بھابھی! آپ جائیں۔ روٹھے صنم کو منائیں۔"
عطیہ بچے کو گود میں اٹھا کر بولی۔ "عبداللہ کو ان کی گود میں ڈال دوں گی۔ بس جھگڑا ختم۔"
"واہ۔ آسان نسخہ ہے۔ اسی لیے جنگ کا میدان گرم رکھتی ہیں۔"
وہ بھی ان کے جاتے ہی اٹھا۔ چچی نے گلے لگا کر پیار کیا۔ "آج تم نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے خرم! جو میں بھی نہیں کرسکتی تھی۔ سچ میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں تمہیں داماد بنا کر گھر میں رکھ لیتی۔"
"داماد کیوں' بیٹا بنالیں۔ اپنے بیٹے بہو کو امی کے حوالے کردیں۔ اعظم بھائی اور صولت کے ساتھ رہ کر ان کے جیسی ہوجائیں گی۔"
"اور اگر صولت کو اپنا جیسا بنادیا؟" چچی ہنس دیں۔
"یہ تو خاصا مشکل ہے۔ صولت فطرتاً بہت نیک اور ہمدرد ٹائپ کی ہے' یوں بھی' امی کی لاڈلی ہے' غلط مشورہ قبول نہیں کرسکتی۔"
"آج پہلی بار' عطیہ نے غلطی کا اعتراف کیا ہے' میں حیران ہوں۔" چچی سوچ کر بولیں۔
"احد کا خط وغیرہ آیا؟ سعد تو کالج میں ہوگا۔" اس نے پھر موضوع بدلا۔ چچی بتانے لگیں' احد کراچی میں تھا' وہیں جامعہ میں زیر تعلیم تھا۔ فہد نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر خرم کا شاید شکریہ ادا کیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا باہر آگیا۔ نیلا گیٹ بند کرکے اوپر والا کنڈا لگادیا۔ اب فہد یا عطیہ گھر کا دروازہ گیلری والا بھی بند کرتے ہیں یا نہیں۔
ٹیکسی کا انتظار فضول سمجھ کر پیدل چل پڑا۔ آج تو عطیہ بھابھی نے کڑوی کسیلی چائے پلانے کی بھی زحمت نہ کی۔ اپنے ہی معرکے اور مسئلے میں مصروف' خیر! راستہ رواں دواں تھا۔ گارڈن ٹاؤن میں سبزہ بھی تھا۔ اور گھر بھی خوبصورت سلیقے کے بنے ہوئے تھے' لیکن سڑکیں تنگ تھیں۔
پھول مہک رہے تھے' ڈالیاں خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ اس کا ذہن پھر چچا کے گھر کی طرف مڑ گیا۔
چچا بھی کافی حد تک ذمے دار تھے' گھر کے بگاڑ کے' وہ بے حس تھے۔ یا ایسا شو کرتے تھے' نہ تو گھر کے کسی معاملے سے سروکار رکھتے' نہ حصہ لیتے' گھر کے مرد کو ذمہ دار ہونا چاہیے۔ رعب بھی رکھنا چاہیے۔ اپنی عزت قائم رکھنے کے لیے تعلق بھی قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔
عطیہ بھابھی کی تساہلی' بے نیازی' کام چوری اپنی جگہ' چچا اگر زبان ہلا کر ان کو کسی کام کی طرف متوجہ کرتے تو وہ بدزبانی کے جھنڈے نہ گاڑتیں۔ میں نے تو توجہ دلائی تھی' وہ کتنی جلدی غلطی کا اعتراف کر بیٹھیں۔ فہد بھائی خود چچی کی بات نہیں مانتے تھے تو عطیہ بھابھی ان کو کیوں اہمیت دیتیں۔ چچی اپنی مجبوری' لاچارگی کے سبب بہو سے امیدیں قائم کرنے لگیں ان کی حمایت کرکے' سعد گھر کے حالات سے بیزار' اکثر گھر سے باہر رہتا۔
احد نے بھی تنگ آکر کراچی میں داخلہ لیا تھا۔ چچا کی گھر سے بے تعلقی کا یہ حال' وہ کیک لایا تو وہ باہر کے باہر لے اڑے۔ اب دکان پر اپنے دوستوں کو کھلائیں گے۔ پیچھے سے کار کا ہارن سن کر اس نے سائیڈ میں ہونا چاہا۔ کار بالکل برابر میں رکی۔ دروازہ کھلا' دو طاقت ور ہاتھوں نے اسے پکڑ کر کھینچا۔ گاڑی میں گھسالیا۔ وہ ہکا بکا ایک لمحے کو کچھ نظر بھی نہ آیا۔
"کیا میں اغوا ہو رہا ہوں؟" پھر قہقہوں نے استقبال کیا۔ تب دیکھا' اس کے دوست تھے' زید' اکبر' امجد' خون کا عطیہ دینے جارہے تھے۔ کسی ادارے کی اپیل پر' یو سی ایچ کے احاطے میں کیمپ لگایا گیا تھا۔ دو حصے الگ الگ تھے۔ یعنی مردانہ' زنانہ کافی گہما گہمی تھی۔ وہ مردانے حصے میں

داخل ہو گئے۔ لائن لگی تھی' کافی دیر بعد ان کا نمبر آیا۔ خون دینے کے بعد تعریفی سرٹیفکیٹ اور جوس پیش کیا گیا' یہ لوگ باہر آئے تو لیڈیز گیٹ سے لڑکیوں کا غول برآمد ہوا۔

ان میں ایک شناسا آواز بھی تھی۔ وہ سب کسی ایک لڑکی پر طنز کے تیر چلا رہی تھیں۔ جس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔

"میرا خون بہت قیمتی ہے' میں کیوں دوں کسی خیراتی ادارے کو۔"

اور سب سے بڑھ کر شرمندہ کرنے والی مون ہی تھی۔ یہ آواز اب اس کی سماعت میں اچھی طرح رچ گئی تھی۔ وہ ٹھٹک گیا۔ اور نظر جما کر ادھر دیکھا۔ مون اپنی کشیدہ قامتی کی وجہ سے بھی' اور آواز کی موسیقیت کے باعث سب کو متوجہ کر چکی تھی۔ اس کے چہرے پر جلال کی سرخی اور تاسف ملا جلا سا تھا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ یہ ہر جگہ مجھے کیوں نظر آتی ہے' کیا یہ... باہر ہی رہتی ہے' کبھی گھر جاتی بھی ہے یا نہیں۔ اور پھر... اس نے اپنے قریب صامی کی آواز سنی۔

"ہیلو... ہیلو... کہاں بھاگے جا رہے ہو' خرم' رکو بھئی' توبہ۔"

وہ رکا تو امجد وغیرہ بھی رک کر صامی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ایک نظر ڈالتے ہی وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ کاش' نہ ہی رکتا' صامی کا لباس' انتہائی واہیات اور ناکافی تھا۔ کالی جالی کا فشنگ والا کرتا' جس کی آستین ندارد' گلا خاصا نیچا' اور وہ بے حیائی کی تصویر بنی خرم کا ہاتھ پکڑے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا' کھسک کر امجد کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔

"تم... یہاں!"

"اور تم کیا کر رہے ہو؟" اس نے بے باکی سے امجد اور زید پر نظریں جما دیں۔

"میں۔ گھر جا رہا ہوں۔" کہہ کر تیزی سے آگے بڑھا' امجد' زید زیر لب مسکراتے چل پڑے۔ مگر وہ صامی تھی... پیچھے ہی چلی آئی۔

"سنو۔ میں اپنی دوستوں سے تمہارا تعارف کرا دوں۔ سب بہت بے قرار ہیں۔ اور تم بھی اپنے دوستوں سے میرا تعارف کرواؤ نا!" (اپنا حلیہ دیکھو۔ ہے اس قابل کہ کسی دوست سے کزن کہہ کر ملواؤں۔) دانت پیستا چلتا گیا۔

"امی! انتظار کر رہی ہیں۔ جلدی میں ہوں۔"

"تمہاری امی کا انتظار تو میں ختم کرواؤں گی ننھے!"

وہ مضحکہ اڑاتے لہجے میں دبی زبان سے بولی' مگر... خرم نے بخوبی سن لیا۔ لیکن... سمجھ میں نہیں آیا' کافی آگے آ کر امجد نے ہی پوچھا۔

"یہ۔ تمہاری کزن بہت ایڈوانس ہے۔ تم سمجھاؤ۔ بدنام ہو رہی ہے۔"

"ہیں؟ تم... کیسے جانتے ہو؟" حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ رک گیا۔

"کون نہیں جانتا؟" زید اس کی لاعلمی پر مسکرایا۔ "ایسی لڑکیاں' بہت جلد متعارف ہو جاتی ہیں سوسائٹی میں۔ یار! برا نہ ماننا' اس کی سوسائٹی بھی' زیادہ اچھی نہیں۔"

"مگر... ہاں' ذرا آزاد ہے' لیکن تم..."

"میری کزن اس کے ساتھ پڑھتی ہے۔ کئی دفعہ دیکھا ہے اسے' کبھی کسی کے ساتھ' کبھی کسی کے... میری کزن سے تم مل بھی چکے ہو۔ راحت..."

خرم کو یاد آیا' راحت سادہ سی لڑکی' زید کے بھائی کی منگیتر' راستے میں وہ لوگ خرم کو سمجھاتے رہے کہ صامی کے والدین سے کہو وہ اس کی دوستیاں ختم کرائیں' ورنہ کہیں نقصان... اور ماں' باپ ہی ذمے دار ہوتے ہیں۔"

خرم شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اس نے کبھی صامی کو باہر نہیں دیکھا تھا۔ البتہ وہ پھپھو کے ساتھ آتی تھی۔ خاندان کی شادیوں میں بھی اس سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ وہ سب ہی لڑکوں سے بے تکلف ہو جاتی تھی۔ اس میں کچھ حرج نہ تھا۔ مگر دوسرے لوگ اس کی بے باکی پر اعتراض بھی کرتے تھے۔ معظم بہت خلاف تھا اس کے۔

☆ ☆ ☆

گھر میں امی کچھ پریشان ادھر سے ادھر پھرتی نظر آئیں۔ کبھی ایک گلاس اٹھا کر لے گئیں۔ کبھی کوئی تولیہ پکڑے اندر گم ہو گئیں۔ وہاں سے بینگر اٹھا لائیں۔ اور ادھر ادھر دیکھتی رہیں کہ اسے کہاں رکھوں۔ یہ امی کی فکر کی نشانی تھی۔ خود کو مصروف ظاہر کرنا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ ادھر سے صولت گزری۔

"پلیز صولت! مجھے اچھی سی چائے تو پلا دو۔ آج مجھے چائے نہیں ملی' لگ رہا ہے میں اندر سے خالی ہو رہا ہوں۔"

وہ شام کی چائے کا عادی تھا۔

"جوس نکال دوں ڈھیر سارے فروٹ آئے رکھے ہیں۔" وہ چہکی۔

"اوہ۔ ویری گڈ! ضرور' مگر چائے بھی۔ پتا ہے ابھی خون دے کر آیا ہوں۔"

"ہیں۔ اللہ خیر' کس کو دیا ہے؟" وہ بوکھلائی۔

"ایک ادارہ ہے فلاح و بہبود کا۔ اس نے اپیل کی تھی' کیمپ لگایا ہوا ہے۔"

"اچھا۔ یو سی ایچ کے اندر۔ ثروت بھی گئی ہو گی۔ آپ کو نہیں ملی؟"

"پارٹیشن ہے وہاں۔"

"اچھا جوس نکالتی ہوں۔" کہہ کر وہ چلی گئی۔ آنکھیں بند کر کے دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ امی کی تیز آواز سے اچھل پڑا' وہ تو کبھی ڈانٹتے وقت بھی تیز آواز پسند نہیں کرتی تھیں۔ اور حیرت کی بات تو یہ کہ وہ صولت پر خفا ہو رہی تھیں۔ بلند آواز میں' صولت میں تو ان کی جان تھی۔ سوائے اس پر لاڈ پیار لٹانے کے اور کچھ آتا نہ تھا انہیں۔ وہ اڑتا ہوا ڈائننگ روم میں پہنچا اور اس سے عجیب منظر یہ کہ صولت' امی کو کمر سے پکڑے لپٹی کھڑی تھی۔

"سوری۔ سوری خالہ امی!" کر رہی تھی اور امی خود کو اس سے چھڑانے کی تگ و دو میں تھیں۔ میز پر پھلوں کا ایک ٹوکرا' مٹھائی کا ڈبہ بھی موجود تھا۔

"کیا ہو گیا امی؟" وہ بوکھلا کر اتنا ہی کہہ سکا۔ امی نے بگڑ کر کہا۔

"ارے۔ اس آکٹوپس سے میری جان چھڑاؤ۔ تو بتاؤں' پیر تسمہ پا بن کر چمٹی ہوئی ہے۔" سخت خفا۔

صولت' خرم کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ منمنانے لگی۔

"میں تو اس لیے خالہ امی سے لپٹ گئی تھی کہ اب یہ مجھے ماریں گی۔ وہاں امی ڈانٹتی تھیں۔ میں خالہ امی کے ہاتھ سے مار کھانا نہیں چاہتی تھی۔ سچی میں..."

امی کو اس پر ہنسی آ گئی' بولیں۔ "چل' پرے ہٹ' پگلی!" کہہ کر کہیں جانے کو ہوئیں۔ خرم اشارے سے پوچھنے لگا کہ ہوا کیا۔

"ابھی بتاتی ہوں' ذرا دم لو' تمہارے ابا کی خیر خبر لے لوں۔ ویسے ہی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" کہہ کر جلدی سے چلی گئیں۔

یہ کوئی نیا ہی معمہ ہے۔ جس میں والد صاحب بھی... صولت سے پوچھا' اس نے کندھے اچکا دیے۔

"میں تو ابھی ابھی شاہین کے گھر سے آئی تھی۔ مجھے کچھ پتا نہیں۔ یہاں فروٹ دیکھے' آئی تھی جوس نکالنے' خالہ امی ڈانٹنے لگیں' اچھا' چائے لاتی ہوں۔"

کہہ کر وہ کچن کی طرف چل دی۔ اگر اسے کچھ پتا ہو گا۔ پھر بھی نہیں بتائے گی۔ یہ بھی اس کی عادت تھی' ورنہ امی بلاوجہ اس پر کیوں خفا ہوتیں۔ امی' ابا جان' اور بڑی پھپھو ایک ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے۔ امی چپ' ابا جان تمتمائے چہرے کے ساتھ پھپھو آگ بگولہ' یا الٰہی خیر۔

"لو۔ سامنے کھڑا ہے۔ پوچھ لو' اس سے۔" پھپھو ہاتھ لہرا کر بولیں' نظر ان کی ابا جان کی طرف' اشارہ خرم کی جانب تھا۔

(جل تو جلال تو' آئی بلا کو ٹال تو۔) دل میں کلمہ بھی پڑھ لیا۔ اور ابا جان کی طرف نظر ڈالی۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ نظروں میں بے اعتباری نہیں تھی۔ دکھ تھا۔ اور خرم کو تسلی ہوئی۔

"خرم! میں کیا سن رہا ہوں؟" بالآخر انہوں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہاری پھپھو کہہ رہی ہیں' تم ان کے گھر کے چکر لگاتے ہو۔ کھاتے پیتے ہو۔ اور بہت خوش رہتے ہو۔ کیا یہ صحیح کہہ رہی ہیں؟"

وہ ٹکر ٹکر امی کو پھپھو کو دیکھنے لگا۔ یہ کیسا سوال' پھپھو نے پھر ہاتھ لہرایا اور ابا جان کی طرف دیکھ کر چیخیں۔

"ارے' اصل بات پوچھو۔ جس پر تم اس قدر برہم ہو۔ جیسے میں نے تم پر توپ چلا دی ہو۔"

"ہاں۔ برخوردار! سنو۔ یہ صاحبہ فرما رہی ہیں کہ تم ان کی بیٹی کے لیے' اس سے ملنے کی خاطر ان کے گھر جاتے ہو۔ یعنی تم ان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ اس میں کتنی صداقت ہے۔"

انہوں نے سانس لیے بغیر تواتر سے یہ لمبا جملہ ادا کیا تھا۔ آخر میں کھانسی آ گئی۔ خرم کے سر پر جیسے پہاڑ آ گرا۔ لڑکھڑا کر وہ پیچھے ہوا' اور صوفے پر گر گیا۔

"ابا جان۔" وہ لہجے میں احتجاج بھر کر بولا۔ "آپ کے ساتھ ہی جاتا تھا۔ جس طرح رشتے داروں کے گھر جاتے ہیں' میں آج بھی چچا کے گھر گیا تھا۔"

"اور یہ جو فرما رہی ہیں' تم ان کے گھر جا کر کھاتے پیتے ہو۔ اور بہت خوش رہتے ہو۔" ابا جان کی آواز میں اب بھی جلال تھا۔

UrduPhoto.com

"میں؟ آپ کے ساتھ کے علاوہ' صرف ایک بار گیا تھا۔ زاہد نے مجھے لفٹ دی تھی۔ پہلے اپنے گھر لے گیا۔" خرم' پھپھو کے بیان پر تاسف ہی کر سکتا تھا۔ "وہاں پھپھو نے اصرار کیا' تو' رک گیا۔ اس ایک بار کے سوا کبھی بھی نہیں گیا۔"

اسے ابا جان کے ساتھ پھپھو کی غلط فہمی دور کرنے کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا۔

"اور۔ صاحبزادی کو پسند کرنے والی بات کی وضاحت کرو۔" اب ان کے چہرے کی تمتماہٹ بھی کم تھی۔ لہجہ بھی ہموار ہو گیا تھا۔

"میں... آپ کی پسند کے سوا کسی سے نہیں... سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ... میری بہن ہے' کزن ہے' اس کے سوا میں اس کے بارے میں کوئی رائے نہیں رکھتا۔ یہ... ممکن ہی نہیں' پھپھو! آپ نے ہی اس دن مجھے زبردستی روکا تھا۔ میں تو چچا کے گھر سے نکلا تو زاہد مل گیا۔"

پھپھو نے دوپٹہ منہ پر رکھ کر زور شور سے رونا شروع کر دیا تھا۔

"ہائے میرے نصیب۔ بھائی نے بہن کی بات رد کر دی۔ بھتیجا منحرف ہو گیا۔ کہاں جاؤں میں' بڑی آس لے کر آئی تھی میں۔ بے غیرت بن کر خود آ گئی۔ اسی کا لحاظ کر لو۔ بھابھی! کچھ تم بھی بولو۔" اب ان کا رخ امی کی طرف تھا۔ امی' ابا جان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"یہ لُسوے تم اپنے گھر جا کر بہا لینا اور یہ نوکرا وغیرہ ساتھ لے جانا۔" ابا جان بات مکمل کر کے مڑے۔

پھپھو بلبلا گئیں۔ "اتنے بے مروت نہ بنو' خدا کے لیے۔" وہ ابا جان کا دامن پکڑنے میں ناکام ہو گئیں۔

"میری بنی مر جائے گی۔ وہ خرم کے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ اس کا خیال کرو۔ ترس کھاؤ' بھانجی ہے تمہاری۔ بیوی کی بھانجی کو بہو بنا سکتے ہو۔ اپنی بھانجی سے بے زاری' ہائے۔"

"گھر جاؤ' اور اپنی بیٹی کو کنٹرول کرو۔" ابا جان کہہ کر اندر چلے گئے۔

صولت چائے لے آئی تھی۔ پھپھو چھکوں پہکوں رو رہی تھیں۔ صولت کا چہرہ فق ہو گیا۔ امی ہونٹ چبا رہی تھیں۔ خرم چائے کی پیالی لے کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اسے اپنی آج کی ہمت جرأت پر حیرت بھی تھی۔ اس نے بڑی دلیری سے صفائی پیش کر دی تھی۔ وہ ایسا کوئی الزام اپنے سر نہیں لے سکتا تھا اور صامی' آج کا اس کا حلیہ' اور امجد' زید کی باتیں' چائے نے تھکن دور کر دی اور ابا جان کے سامنے جس طرح وہ کھل کر بولا تھا۔ بے چاری پھپھو!

معظم کی آواز آئی تو وہ باہر آیا۔ وہاں ایک اور بحث جاری تھی۔ معظم سے کہا جا رہا تھا کہ پھلوں کا ٹوکرا اور مٹھائی کا ڈبہ پھپھو کے گھر پہنچا کر آؤ۔ وہ جز بز ہو رہا تھا اور صاف انکاری۔

"بھائی! یہ ٹوکرا تم خود لے کر جاؤ۔"

"امی! قصہ کیا ہے۔ آپ نے بتایا ہی نہیں' اور... پھپھو چلی گئیں کیا؟"

"ہاں۔ چلی گئیں اور پھل' مٹھائی واپس نہیں لے کر گئیں۔ اور مشکل۔"

"یہ پھل اور مٹھائی کا معمہ بھی حل کر دیں۔"

وہ بھی اس کہہ مکرنی کو حل کرنے سے قاصر تھا۔ امی نے جو کہ نہایت پریشان تھیں۔ بتایا کہ پھپھو مٹھائی اور پھل لائی تھیں۔ خرم اور صامی کی بات "پکی" کرنے۔ بہن' بھائی میں بحث ہو گئی۔ یہ تو شکر ہے کہ وہ آ گیا اور خود ہی انکار کر کے باوا کی عزت رکھ لی۔ اب ابا جان۔ اس حرام کی کمائی کی نحوست گھر میں برداشت کرنے کے لیے ہرگز راضی نہیں۔

"اور۔ تمہاری وجہ سے جو مصیبت آئی ہے۔ وہ میرے سر منڈھی جا رہی ہے۔" معظم شدید خفا تھا۔ "کیسے لے کر جاؤں اسے۔ تم خود لے کر جاؤ۔ ٹیکسی کے پیسے میں دے دوں گا۔"

وہ تو غنیمت ہوا کہ اعظم آ گیا۔ موٹر سائیکل پر مٹھائی کا ڈبہ صولت اور معظم کی ڈیانت کے سبب کسی طرح تیسری فاضل سیٹ پر کس طریقے سے باندھا گیا۔ خرم نے نہیں دیکھا۔ وہ تو فوراً کمرے میں گھس گیا تھا کیونکہ معظم برابر حجت کر رہا تھا کہ مٹھائی فروٹ خرم کے لیے آئے وہیں واپس کرنے جائے۔ بارے معظم کے جانے کے بعد صولت اسے بلانے آئی۔ اعظم نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

"بہادری کا کام کیا ہے آج تم نے۔ ابا جان کے سامنے ارے بابا! میں تو بھاگ لیتا۔ مجھ سے بھلا اس طرح جواب دیے جاتے نونو۔"

"اور خرم بھائی! اسپتال میں خون بھی دے کر آئے ہیں۔" صولت نے اطلاع دی۔ امی تو سینے پر ہاتھ رکھ کر بھونچکا

سی رہ گئیں۔ انہیں یہ بھی فکر تھی کہ اب بہن' بھائی کے درمیان شاید اتنا ملنا جلنا بھی نہ رہے جتنا کہ تھا' ظاہر ہے' بہن کی توہین ہوئی ہے' بری بات ہوئی۔

"ان سے کس نے کہا تھا کہ خود سے شادی طے کرنے آ جائیں۔ واہ یہ تو ان کی غلطی تھی۔" اعظم نے ماں کو سمجھایا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ بہن' بھائی کے بھائی چارے کی خاطر خرم کی قربانی نہیں دی جا سکتی۔ تھوڑے دن میں پھر' کہیں نہ کہیں مل جائیں گے دونوں۔ امی! یہ رشتے ختم نہیں ہوتے۔ تھوڑی سی کڑبڑ ہو جاتی ہے۔"

دو گھنٹے بعد معظم آیا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"بائیکل تھکے ہوئے بیل لگ رہے ہو۔ کولہو کا۔" خرم نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں... ہاں... تمہاری وجہ سے اچھی خاصی مٹھائی اور فروٹ سے ہاتھ دھونے پڑے۔" معظم کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا تھا۔

"یہ... کیسے بیٹھے ہو؟"

"ٹانگیں دکھ گئی ہیں۔ راستے میں دل چاہ رہا تھا مٹھائی کھالوں' فروٹ فقیروں میں بانٹ دوں مگر' تم پر ترس آ گیا کہ پھپھو یہ نہ سمجھ لیں کہ... رشتہ پکا ہو گیا پھر وہ ابا جان کو مبارک باد کا فون کرتیں۔ اور سر میرا گنجا ہوتا۔"

"تو مٹھائی تم کھاؤ گے۔ نزلہ بھی تم ہی پر گرے گا۔"

"اچھا بھلا رشتہ آ گیا تھا۔ مفت میں کار کوٹھی' نوکر چاکر مل رہے تھے۔ مگر نہیں جی' ہمارے لوگوں کو تو تکلیفیں اٹھانے' مشقت اور دکھ سہنے کی عادت ہے۔" اس کا غصہ دم بہ دم بڑھ رہا تھا۔

"تو پھپھو سے کہو۔ تم سے بھی شادی ہو سکتی ہے۔"

"ہونہہ! پسند وہ تمہیں کرے' شادی میں کر لوں؟ فلمی کردار بننے کا شوق نہیں ہے مجھے۔"

"چھا چھوڑو بھی' یہ بتاؤ' مٹھائی اور فروٹ واپس کیے۔ وہاں پہنچے تو پھر کیا ہوا؟" صولت کو جستجو اور شوق' اور پوری کہانی سننے کی عجلت۔

"میں وہاں پہنچا۔ پھپھو ابھی وہاں پہنچی ہی نہیں تھیں۔" معظم کرسی سے اٹھ کر صوفے پر لیٹ گیا۔ مگر پھسل کر نیچے گرا۔ صولت کو ہنسی آ گئی۔ تعظم نے لیٹے لیٹے ہاتھ اونچا کیا اور خرم کو للکارا۔

"اب اٹھاؤ بھی مجھے۔ تھک کر شل ہو گیا ہوں۔ تمہارے کام سے۔"

"اچھا۔ ہاں' پھر کیا ہوا؟" صولت نے پوچھا۔

"میں اندر موٹر سائیکل لے گیا۔ کس مصیبت سے ٹوکرا اور ڈبہ مٹھائی کا لے کر اندر پہنچا۔ زمین پر پٹخا' اور واپس چل پڑا۔ صامی صاحبہ شاید اسی وقت کہیں سے آئی تھیں۔ چیختی ہوئی میرے پیچھے بھاگیں۔

"ارے رکو' کہاں جا رہے ہو اور ماموں جان' مامی جان کہاں رہ گئے۔"

صامی کی نقل کرتا ہوا معظم مسخرا لگ رہا تھا۔ صولت کو ہنسی آ رہی تھی۔

"ہائے بے چاری! وہ سمجھی ہو گی رشتہ پکا ہو گیا۔ ہماری طرف سے مٹھائی اور فروٹ آیا ہے۔ معظم! تم کہہ دیتے کہ ابا جان اور امی ابھی آ رہے ہیں پیچھے پیچھے۔"

"جو حالت میری اس وقت تھی۔ ایک تو کمبخت وہ من بھر کا ٹوکرا' کس عذاب سے وہاں تک پہنچا تھا۔ ہل ہل کر ابھی گرا کہ گرا' اوپر سے ان صاحبہ... کا حلیہ' دل چاہ رہا تھا ایک زور کا تھپڑ رسید کروں۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیوں' من بھر ٹوکرا تم گھسیٹ کر لے گئے۔ تھپڑ بے چاری صامی کو کیوں؟" صولت تو تفصیل جاننے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

"پوچھو۔ اپنے ان دیور صاحب سے۔" اس نے جل بھن کر خرم کی طرف اشارہ کیا۔ "گیٹ تک بھاگی چلی آئیں۔ باچھیں کان تک چیرے بولیں۔

"ملے تھے خرم مجھے' یو ایس ایچ کے گیٹ پر' خون دینے آئے تھے دوستوں کے ساتھ۔"

"خرم بھائی! آپ نے صامی سے ملاقات کا تو حال بتایا نہیں۔"

صولت شکایتی لہجے میں منہ سجا کر بیٹھ گئی۔ معظم' خرم کو گھور رہا تھا۔ خرم نظریں چرانے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ صولت' معظم اور اعظم کو ابا جان کے جلال' اور پھپھو کے رونے کا بتانے لگی۔ ساتھ ہی ان کے اس جملے کو بھی۔ "پھپھو نے کہا۔ بھائی تم بیوی کی بھانجی کو بہو بنا سکتے ہو۔ اپنی بھانجی سے بیزاری۔" امی تو ابا جان کی دل جوئی کے لیے ان کے پاس چلی گئیں۔ بہن کو ناکام نامراد لوٹانے کا دکھ تو ان کو ہو گا ہی۔"

"لو جی۔ خرم بھائی! ایک اور لطیفہ۔" صولت اس کے

UrduPhoto.com

کمرے میں شور کرتی ہوئی گھسی۔ ثروت کا فون آیا ہے' کہہ رہی ہے کہ وہ بھی خون دینے گئی تھی۔ وہاں صامی اپنی دوستوں کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اس نے خون دینے سے تو انکار کردیا۔ مگر اپنی دوستوں سے کہہ رہی تھی 'اس کی منگنی ہوگئی ہے' کزن خرم کے ساتھ۔ ساری دوستیں اس کو مبارک باد دے رہی تھیں۔ ٹریٹ مانگ رہی تھیں۔ ثروت ان لڑکیوں کے پیچھے تھی' کہہ رہی تھی ہم جب باہر نکلے وہ خرم بھائی سے باتیں کررہی تھی' خرم بھائی یہ کیا قصہ ہے۔"

"کچھ نہیں' میرے ساتھ دوست بھی تھے' میں کیا باتیں کرتا۔"

خرم نے ٹال دیا۔ مگر اسے خیال آیا' منگنی کی شہرت کے بعد تو صامی کو اس ناکامی سے شرم آہی جائے گی' اور اب اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ پھپھو کے سامنے ہی صاف انکار کردیا تھا۔ ورنہ 'ابا جان تو اپنی بہن سے ملنے میں بھی بے حد محتاط تھے۔ سب گھر والوں کو ساتھ لے جاتے' اور بغیر کچھ کھائے ان کے گھر سے آجاتے۔ پانی بھی نہیں پیتے تھے' کیونکہ پھپھو حفظانِ صحت کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منرل واٹر منگواتی تھیں۔ اور وہ اسی رقم سے تو خریدا جاتا تھا۔ جو رشوت کی ناجائز کمائی سے گھر میں آتی تھی۔ وہ بھلا ان کی بیٹی کو کیسے بہو بناتے۔ بلکہ اگر خرم چاہتا تب بھی وہ اسے گھر سے کیا اپنے دل سے بھی نکال دیتے' وہ اس معاملے میں بہت سخت تھے۔

خود انہوں نے بے حد محنت' مشقت سے حلال رزق کمایا تھا اور پوزیشن بنائی تھی' اور ان کی جدوجہد میں امی نے برابر تعاون کیا تھا۔ کفایت شعاری سی' اپنے ہاتھوں سے کام کیا' کبھی نوکر کی شکل نہیں دیکھی' اسی لیے پھپھو نصیحت کرتی تھیں کہ بھائی! خود پر ظلم کرتے ہیں اور بیوی' بچوں پر بھی' چاہیں تو لاکھوں کی آمدنی سے گھر بھرلیں' محل بنالیں' مگر دقیانوسی سوچ نے عیش آرام خود پر حرام کر رکھا ہے۔ رشوت دینے والا اپنا کام بھی تو کرواتا ہے۔ اس میں کیا برائی ہے' مگر ہمارے بھائی کے دماغ میں ایمان ایسا گھسا ہے کہ دوسروں کی خوش حالی انہیں بری لگتی ہے' ارے بھئی صلاحیت ہی نہیں ہے' دولت کمانے کی۔

ابا جان کی محنت' دیانت کی وجہ سے ان کی محکمانہ ترقیاں بھی خوب ہوئیں۔ مگر ان کے گھر کے حالات ویسے ہی رہے' مگر پھر امی' ابا جان دونوں کی کاوش کا نتیجہ اس گھر کی صورت میں نکلا۔ اعظم بھائی نے بھی دورانِ تعلیم ہاتھ پیر چلا کر آمدنی کی کامیاب کوشش کی اور پھر ان کو بہت اچھی جاب بھی مل گئی۔

ان ہی کی خواہش پر صولت بہو بن کر آئی۔ وہ اس گھر میں اس طرح فٹ ہوئی جیسے انگوٹھی میں نگینہ' ہو بہو امی کا عکس بن گئی' گو کہ اس کے والد خاصے متمول تھے۔ ڈیفنس میں ان کی کوٹھی بھی تھی' گاؤں میں زمین بھی' اور لبرٹی میں دکانیں بھی۔ اس نے کبھی کچن میں کام نہیں کیا تھا۔ مگر یہاں وہ ہر کام کرتی نظر آتی تھی۔ اس کے میکے میں دو گاڑیاں تھیں' شادی کے بعد وہ اعظم کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھنے سے شرماتی نہ تھی۔ اس کی بے شمار خوبیاں تھیں اور یہ دراصل خالہ عفت کی تربیت تھی۔

وہ اپنے میکے کے عیش' آرام' سہولت کو بھول گئی اور اس کی وجہ سسرال میں محبت' اعتماد اور ہر قسم کے تعاون کا نتیجہ تھا' وہ سسرال کے ہر فرد کے دل میں دھڑکتی تھی اور یہ اس کی نیک فطرت کے باعث ہوا۔ پہلے پہل صولت نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ثروت بھی اسی گھر کی بہو بنے' مگر اس کی امی کو شک تھا' ان کے خیال میں دو بہنیں اگر ایک گھر میں بیاہی جائیں تو ان میں سے ایک سکھی رہتی ہے' دوسری دکھی' اور یہ مقولہ ان کی نانی کا تھا۔

"خالہ امی! اب تو خرم بھائی کی جاب بھی شروع ہوگئی ہے۔ اب ان کی شادی ہوجانی چاہیے۔"

ٹی وی پر کسی ڈرامے میں شادی کا سین دیکھتے ہوئے صولت پرشوق آواز میں بولی اور خالہ امی تو اس ذکر پر باغ باغ ہوگئیں۔ جھٹ خربوزہ اور چھری پیالے میں رکھ کر بولیں۔

"ائے ہے تو یہ لڑکا خود تو راضی ہو۔"

"خالہ امی! لڑکی دیکھنا شروع کریں؟" صولت پرشوق آواز میں بولی۔

"بچی میں تو سارا دن اکیلی بور ہوجاتی ہوں' کس سے بولوں' مذاق کروں۔"

"اچھا جی تو خرم بھائی کی شادی.... آپ کی تنہائی دور کرنے کے لیے ہوگی؟" معظم اور کسی بات میں دخل نہ دے' ایسا ذرا کم ہی ہوتا تھا۔

"فکر نہ کرو' وہ تمہاری بھی دوست ہوگی' ہم تینوں مل کر خوب مزے مزے کی ڈشز بنائیں گے' کیرم کھیلیں گے' خوب چہل پہل ہوجائے گی گھر میں۔"

"اور اگر..... آنے والی عطیہ بھابھی جیسی ہوئی' کمرہ بند اور ٹی وی کھلا' یا پھر... صامی جیسی' گھر سے باہر ہی باہر... تم پھر اکیلی کی اکیلی...."

"اللہ نہ کرے۔" امی دہل کر بولیں۔ انہوں نے پھر چھری تھام کر خربوزے کی گردن پر پھیرنی شروع کردی۔ صولت بھی منہ بنا کر ٹی وی دیکھنے لگی۔ مگر صولت اور اس پروگرام سے دست بردار ہوجائے' ایسا کم ہوتا تھا' وہ خرم کے سر پر سوار ہوگئی۔

"آخر آپ کس طرح کی لڑکی پسند کریں گے' کچھ تو بتائیں' خوب صورت؟ خوب سیرت.... یا دونوں خوبیوں والی؟"

معظم سائیکل کی درستی سے فارغ ہو کر بولا۔ "ہے کوئی؟ دونوں خوبیوں والی' میری طرح۔"

"تم چپ رہو' مجھے خرم بھائی سے پوچھنے دو۔"

"اوہو! کوئی مجھ سے بھی پوچھے' سب اسی سے پوچھتے ہیں' جیسے کوئی لڑکی گھاس نہیں ڈالتی' اور وہ خود بھی۔" معظم منہ بنا رہا تھا۔

"اچھا۔ اور تمہیں کتنی لڑکیاں گھاس ڈالتی ہیں۔" صولت طنزاً بولی۔

جواب ملا۔ "بہت۔"

"مجھے خرم بھائی سے بات کرنے دو پلیز' خرم بھائی! آپ کو یونیورسٹی میں کوئی لڑکی پسند نہیں آئی؟"

"میں وہاں پڑھنے جاتا تھا' لڑکی پسند کرنے نہیں۔"

"تو' آپ کوشش تو کرتے' کسی سے محبت کرلیتے' پھر ہم شادی کے لیے اس کے گھر جاتے' اس کے گھر کی دہلیز گھس دیتے۔" صولت آج کل افسانے پڑھ رہی تھی۔

"محبت؟ محبت کیسے کرتے ہیں' کیا اس کے لیے کوشش کرنی پڑتی ہے؟"

"چلو' انہیں تو یہ بھی خبر نہیں۔" وہ مایوس ہوگئی۔ "چلیں' اب کوشش کرلیں' میں اور معظم آپ کا ساتھ دیں گے۔"

"ہیں؟ تم دونوں' تم دونوں بھی اسی سے محبت' میرا مطلب ہے کہ جس کو میں چاہوں گا' تم تو خیر' مگر معظم! اس سے کہو وہ کسی اور سے کرلے۔"

خرم تو سٹپٹا گیا۔ صولت ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگئی۔ معظم بھی ہنس دیا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہاری محبت سے محبت کرنے' بس' تم خوش تو ہم بھی خوش' کیوں صولت؟" اس نے صولت کی گواہی چاہی۔

"پہلے تم مجھے بھابھی کہو' پھر جواب دوں گی۔" صولت کو معظم سے شکایت تھی۔ وہ اسے بھابھی نہیں کہتا۔ دونوں ہم عمر تھے' مگر معظم کو بھابھی کہتے ہوئے شرم آتی تھی' لو' اتنی سی چڑیا جیسی لڑکی' بڑی بھابھی۔

"اعظم بھائی سے پوچھو۔ انہوں نے یونیورسٹی میں کس کس سے محبت کی تھی؟" خرم نے صولت کو چڑانا چاہا' مگر وہ تو شرما گئی۔

"ہائے اللہ! کس کس سے کیوں۔ مجھ سے جو کرتے تھے' پوچھ لیں معظم سے۔"

"ان سے کیا پوچھنا' یہ تو ان دنوں کرکٹ کے عشق میں مبتلا تھے۔ بس اتنی مہربانی کی کہ بھائی کی شادی میں شریک ہوگئے۔" معظم نے کہا۔

"ہاں۔ مجھے اتنا غصہ آتا تھا خرم بھائی پر۔" صولت بگڑ گئی۔

"کیوں۔ تم کو کس بات پر غصہ آتا تھا۔ وہ بھی مجھ پر۔" خرم حیران ہوا۔

"تو اور کیا۔ اتنی مشکلوں سے تو شادی ہونے جارہی تھی اور اس کا بھائی میچ میں مگن' غصہ نہ آتا۔"

"مشکلوں سے؟ کیا مطلب۔" خرم سیدھا ہو بیٹھا۔ اب نہ جانے کون سا انکشاف کرنے والی تھی صولت۔ کچھ یاد تو آیا جب اعظم کی شادی کا سنا تھا۔ وہ کوئٹے کے ٹورنامنٹ کی تیاری کررہا تھا۔ ٹورنامنٹ بہت اہم تھا۔ بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس سے۔ مگر ابا جان نے سنا تو اس قدر خفا ہوئے' سخت الفاظ میں اس کی کوئٹہ روانگی پر پابندی لگادی' کتنے دن وہ غم کی تصویر بنا رہا۔ ایک تو اپنی میچ سے غیر حاضری' پھر گھر میں اتنے زیادہ مہمان آگئے تھے کہ کہیں سکون نہ تھا۔ کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے' ناشتے پر شور' کھانے کے وقت ہنگامہ' ہر وقت شور شرابہ' رات گئے تک ڈھول ڈھمکا۔ سخت بے زاری اور بے آرامی تھی۔ اسی کوفت کے باعث کسی فنکشن میں لطف نہیں آیا۔ اب تو کچھ یاد بھی نہ تھا کہ کیا کیا ہوا تھا۔ شدید غم اور غصے میں وقت گزارا تھا اس نے۔ ابا جان کے آمرانہ احکامات کی وجہ سے اس کا اتنا حسین سفر... اس کی پریکٹس جو وہ کرتا رہا تھا۔ سب ضائع ہوگیا۔

"مشکل ہی تو تھی۔ خالو ابا کو اعتراض تھا کہ میرے

UrduPhoto.com

جیسی لڑکی' جس نے ہمیشہ ایئر کنڈیشنڈ کمروں' ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں عمر گزاری۔ جس نے اپنے ہاتھ سے کبھی چائے بھی نہیں بنائی۔"

صولت جوشِ جذبات میں اسے اپنی سرگزشت سنانے پر کمربستہ تھی۔ "وہ یہاں اس گھر میں اعظم کے ساتھ کیسے خوش رہے گی۔ گھر میں جنگ وجدال ہوگی' خیر! پھر جناب اعظم نے ضد کرلی۔ خالو ابا مجھ سے ملنے آئے' سچ' اتنا ڈر لگا۔ میں نے اعظم کی ہمت دلانے پر خالو ابا کے سامنے خوب ڈراما کیا' رو' رو کر وعدے کیے' قسم کھائی کہ کبھی شکایت نہیں کروں گی' سب کام کرلوں گی' بس مجھے اعظم سے جدا نہ کریں' تب' خالو ابا مانے۔"

"تم... تم نے... ابا جان سے یہ سب کہہ دیا؟" خرم کی حیرت سے ٹی گم ہوگئی۔

"سچ کی فتح ہوتی ہے خرم بھائی! اور حق کے سامنے ڈٹ جانا چاہیے اس لیے' کسی نہ کسی سے محبت ضرور کرلیں۔"

"لیکن... تم تو کہہ رہی ہو کہ تم نے ڈراما کیا تھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ خالو ابا کے سامنے کیا تو ڈرا ماسا تھا۔ مگر وہ میرے دل کی آواز تھی' تب ہی تو ہمت بڑھ گئی۔ باقاعدہ مذاکرات ہوئے تھے' میرے اور خالو ابا کے درمیان' بند کمرے میں' اِدھر اعظم کی ضد' اُدھر میری خوشامدیں' اور اب دیکھ لیں' آپ سب سے زیادہ میرا خیال کرتے ہیں۔" صولت تو خوش تھی' اور اسے محبت پر اکسا رہی تھی۔

"ہر محبت کا انجام شادی نہیں ہوتا۔" معظم' صولت کو سمجھانے لگا۔

"اور ہر شادی خوشگوار نہیں ہوتی۔ یعنی انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

"ہمارا تو آغاز بھی خوشنما' انجام بھی خوشگوار۔" وہ فخریہ مسکرائی۔

"اور میرا یقین ہے' جس شادی میں محبت بھی شامل ہو' وہ کامیاب ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ فہد بھائی کی طرح۔" معظم چپکے سے بولا۔ "اور محبت شادی کے بعد بھی ہوسکتی ہے۔ تم اپنی مثالیں اپنے پاس رکھو' سنا۔" کہہ کر چلا گیا۔

"خرم بھائی! معظم کی مت سنیں' میری مانیں' جونہی کوئی پسند آئے' مجھے بتایئے گا' میں خالو ابا کی خوشامد کرکے منظوری لے لوں گی۔ انہیں مجھ پر بھروسہ ہے۔"

"تم پر ہوگا' مجھ پر نہیں۔" خرم نے آنکھیں بند کرلیں۔

"تو یہ ہے' عقل کی کوئی بات بتاؤ' تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔" وہ چڑ کر باہر چلی گئی۔

معظم نے کھڑکی سے سر باہر نکالا۔ "آپ کو بے عقل کہہ گئی ہے۔" کہہ کر سر اندر کرلیا' خرم مسکرانے لگا' سب اسے کم عقل' بدھو سمجھتے تھے' اس میں حرج بھی کیا ہے۔

"تمہیں دنیا کی کچھ خبر نہیں۔" امی کے ارشادات میں سے ایک جملہ۔

"تمہیں خاندان کا کچھ پتا نہیں۔" دوسرا جملہ۔

"تمہیں گھر سے کوئی واسطہ نہیں۔" یہ اعظم بھائی کا نکتۂ اعتراض۔

"خرم بھائی! کچھ سوچ کر قدم اٹھانا چاہیے۔" یہ معظم کی رائے یا اعتراض تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح اتنی روشن اور چمکیلی تھی' جیسے ایک ہزار سورج نمودار ہوگئے۔ فضا میں کچھ نیا پن سا تھا۔ اسے تو ایسا ہی لگا' ہوا میں مہک تھی' آسمان نیلا تھا' گہرا نیلا' اور اس پر تھوڑے سے بادل بھی اٹکھیلیاں کرتے نظر آرہے تھے۔ سورج کی تمازت اور توانائی سے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے' کھڑکی سے لان کا منظر بھی خاصا دلفریب نظر آیا' سبز رنگ کی کورین گھاس' تازہ تازہ کاٹی گئی تھی۔ کیاریوں میں پودوں پر پانی کے قطرے ہیرے کی طرح دمک رہے تھے۔ مالی پانی دے رہا تھا۔ اس کے پائپ سے پانی کی دھار دھوپ میں چمک رہی تھی' پگھلی ہوئی چاندی بہہ رہی تھی۔ تیار ہوکر گنگناتا ہوا کمرے سے نکلا تو رک گیا' ابا جان' لاؤنج میں تشریف فرما تھے۔ اخبار پڑھ رہے تھے۔

"آج... بغیر جگائے ہی اٹھ گئے۔" خرم ان کے طنز کو سمجھ گیا۔

"رات... رات کو اظہر صاحب کا فون آیا تھا۔" اس نے اپنے فرم کے ایم ڈی کا نام لیا۔ "انہوں نے مجھے آفس ٹائم سے پہلے بلایا ہے' کچھ مشورہ... کرنے کے لیے' وہ لندن والی برانچ کا کوئی مسئلہ ہے۔"

"اوہو! مبارک ہو' بھئی بیگم! آپ کے صاحبزادے سے آفس کے لوگ مشورے بھی کرنے لگے ہیں' بھائی ماشاء اللہ

امی تو وہاں تھیں نہیں' پتا نہیں کس کو بیگم کا خطاب دیا جارہا تھا۔

"دراصل ابا جان' لندن کی برانچ میں کسی کو بھیجا جارہا ہے۔ اگر وہ مجھے... بھیجنا چاہیں گے تو آج ہی اسلام آباد جانا پڑے گا۔"

"بہت مبارک' آپ کو بھی ذمّے داریاں نبھانی... آجائیں گی۔"

"امی۔ میں ناشتہ آفس میں کرلوں گا۔" اس نے ناموجود امی کو مخاطب کرکے کہا۔ (جیسے ابا جان نے بیگم کو) ساتھ ہی ابا جان کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"ابا جان' اگر گاڑی پر اسلام آباد چلا جاتا' تو... جلدی واپسی بھی..." اگر اس کا خیال تھا کہ ابا جان اس کی ترقی سے خوش ہوکر گاڑی دینے کی غلطی کرلیں گے' تو یہ اس کا خیال خام تھا۔

"جی نہیں۔" ٹکا سا جواب ملا۔ "مجھے بھی آج سویرے پہنچنا ہے۔" کہہ کر منہ پھیر کر بیٹھ گئے۔ وہ منہ پھلائے باہر نکلا۔ حیرت کا ایک اور جھٹکا' معظم' اعظم بھائی کی موٹر سائیکل لیے اس کا انتظار کررہا تھا۔

"چلو بھائی! میں چھوڑ دیتا ہوں' ٹیکسی میں دیر لگے گی۔" اتنی تیز دھوپ' اگر واقعی اسے جلدی نہ ہوتی' وہ ہرگز اس عجوبۂ روزگار چیز پر نہ بیٹھتا۔ اسے منہ بنا تا دیکھ کر معظم چڑ گیا۔

"آجاؤ۔ یہاں سڑکوں پر تمہارا برد کھوا تو ہو نہیں رہا جو تمہیں شرمندگی ہو یار! بھائی بھی اسی پر روز آفس جاتے ہیں' کبھی کسی نے انہیں پتھر نہیں مارے۔"

خرم شرمندہ ہوگیا' یہ معظم کی محبت اور خیال تھا کہ وہ اس کے لیے معہ سواری تیار کھڑا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ مجھے جانا ہے۔" بیٹھ کر اچھی طرح معظم کو تھام لینے کے بعد اس نے پوچھ لیا۔

"صبح سے تمہاری حرکتیں عجیب عجیب لگ رہی تھیں۔ گنگنا رہے تھے' کبھی کھڑکی سے جھانکتے' کبھی الماری کھول کر نہ نظر آنے والی چیز پر ہاتھ مارتے' میں نے دل میں کہا' آج ضرور کوئی انہونی ہونے والی ہے' کہیں جلدی نکلنا ہو تو تم ایسی حرکتیں ہی کرتے ہو۔"

معظم بتا رہا تھا۔ اور وہ حیران کہ لوگ مجھ کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ میں بہت جلد گاڑی لے لوں گا' اس نے عہد کیا۔

آفس اتر کر معظم کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے احساس ذمے داری اور باہمی محبت اور ہمدردی کی وجہ سے وہ بہت جلد آگیا تھا۔

آفس میں بے شمار کام اسے نپٹانے تھے' کیونکہ لندن جانے کے لیے اسے ہی نامزد کیا گیا تھا۔ اسے آج ہی اسلام آباد جانا تھا تاکہ کل ویزا آفس جاکر ویزا اپلائی کردے۔ ایم ڈی نے بہت اطمینان دلایا تھا اور اس نے ایک بار پھر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں کوئی معظم نہ ہوگا جو اسے جلدی پہنچا دے' ابا جی نے اس کی گزارش سنی' وہ گاڑی پر اسلام آباد جائے گا تو ایمبیسی جانے کے لیے اپنی سواری ہوتو... کار ملنے کی صورت میں وہ پرسوں دوپہر تک آسکتا ہے' سنتے رہے' پھر جواب دیے بغیر فون بند' اب گھر جانے کا بھی ٹائم نہ تھا۔ امی کو فون کرکے بتایا' بیگ میں ایک سوٹ' ایک نائٹ سوٹ رکھ دیں' شیونگ کٹ کنگھا وغیرہ' بس اڈے پر بھیج دیں کسی بھی طرح۔

آفس سے بس کے اڈے پہنچا۔ اور اپنے بیگ کا انتظار کرنے لگا۔ اگر بیگ وقت پر نہ آیا تو سیٹ کینسل ہوجائے گی۔ ہونٹ چباتا ہوا ٹہلتا رہا۔ بس روانہ ہونے میں چند منٹ رہ گئے تھے۔ تب معظم سائیکل پر بیگ گلے میں لٹکائے آتا نظر آیا۔ بے حد مشکور و ممنون ہوکر بیگ اس سے لیا اور عاجزی سے کہا "یار! میں بہت جلد کار لے لوں گا۔"

معظم نے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور پیڈل مارتا ہوا چلا گیا۔ یقیناً" امی نے اسے کالج سے فون کرکے بلوایا ہوگا۔ یہ اس کا کالج ٹائم تھا۔ بس روانہ ہوئی تو وہ سیٹ سے کمر ٹیک کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کرکے مستقبل کے لائحۂ عمل پر غور کرنے لگا۔ لندن جانا' وہاں کی کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنا' اس کا خواب تھا' مگر اس خواب کی تعبیر نہ مل سکی۔

ابا جان کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشورہ دیا' اسکالر شپ لو' اور چلے جاؤ' اور مدد دینے سے انکار' پھر اس کا دل کرکٹ میں اٹک گیا۔ قومی ٹیم میں شامل ہونے کا خواب' ملکوں ملکوں کی سیر۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ' پھر ابا جان کے کسی دوست کی معرفت آفر ملی۔

"ہماری بیٹی سے شادی کرلو اور لندن جاکر اعلا تعلیم حاصل کرو۔" مروانگی کا غرور' انا' غیرت' سسرال کی مدد سے تعلیم حاصل کرنا تو بہ' میرے ہاتھ سلامت ہیں۔ میں خود

UrduPhoto.com

اپنی محنت کے ذریعے تعلیم پوری کروں گا۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو... لندن کیا چین بھی جا سکتا ہوں۔"

ابا جان کو اس کا جواب بہت پسند آیا' ورنہ... آج تو اس کی شادی ہو چکی ہوتی' اور شاید... آج وہ لندن کے ویزے کے لیے ہی جا رہا ہوتا۔ یونیورسٹی میں داخلے کے لیے' بیوی کے ہمراہ' بیوی؟ عجیب مضحکہ خیز لفظ ہے۔ بی' وی۔ ہنسی آگئی۔ اور جس لفظ پر ہنسی آئی تھی' وہ بذات خود کیسی ہوگی۔ یعنی' بی وی' یہ کوئی اچھا خوبصورت لفظ نہیں۔ کچھ اور ہونا چاہیے تھا۔ روزی' یعنی گلابی؟ اچھا تو پھر سیمیں... چاندی' یہ نہیں تو' کرن' میری کرن' اس کی کرن' ضرورت ہی کیا ہے' بس یونہی بھی ٹھیک ہوگا' یعنی جس سے شادی ہوئی وہ اف' کس چکر میں پھنس گیا۔ کچھ اور سوچنا چاہیے' ہیڈ فون لے کر ہو سٹس آگئی۔ فلم دیکھ لیں' یا گانے سن لیں' ہیڈ فون اس نے واپس کر دیا' وقت کا ضیاع' مستقبل کا خاکہ تعمیر کرنا چاہیے' زندگی بغیر کسی ارادوں کے گزار دی' اب ذرا سنجیدگی سے باوقار طریقے سے کسی واضح اور اعلا مقصد کو سامنے رکھ کر زندگی کا ڈھانچہ تیار کرنا ہوگا' ابھی تانے بانے الجھ رہے تھے کہ نیند آگئی۔ ڈھائی گھنٹے گزر گئے تو بس رک گئی۔ بس نہیں فلائنگ کوچ' یہ ہوٹل تھا' بیس منٹ کے لیے روک کر کھانے پینے نماز کے لیے۔

باہر آنے پر موسم کی تبدیلی کا احساس ہوا۔ اندر حبس تھی' باہر خشک گرم فضا' تمام مسافر اتر گئے تھے۔ اترتے ہوئے اس کی نظر بائیں جانب گئی۔ وہاں مجمع نظر آیا' لوگ ادھر جاتے تھے ذرا سا ٹھہرتے تھے پھر اپنی راہ لیتے' پھر بھی دس بارہ لوگ تو تھے ہی' وہ بلا ارادہ ادھر چلا گیا' دس بارہ ہی لوگ تھے' درمیان میں دو لڑکیاں' ہائیں' یہ کون سا تماشا ہے۔

اوہ۔ ایک دس بارہ سال کا لڑکا درمیان میں تھا۔ اور بظاہر زخمی بھی۔ اس کے ماتھے سے خون کی ہلکی لکیر بہہ کر گال تک آگئی تھی۔ بازو پر کہنی کے پاس کھال چھل گئی تھی۔ چربی نظر آرہی تھی۔ کلائی پر بھی زخم تھا' بچہ تکلیف میں تھا۔ لڑکیاں اس پر مہربان تھیں' کسی نے سنی پلاسٹ' کوئی پانی کی بوتل لے آیا۔ "پانی زخم پر لگانا ٹھیک نہیں' موسم خراب ہے' زخم پک جائے گا' کسی ڈاکٹر' یہاں پاس کوئی کلینک ہو تو اسے لے چلیں۔ پلیز کوئی مدد کرے' اس کے زخموں کی ڈریسنگ ضروری ہے۔" یہ دو لڑکیاں مسلسل مجمع سے کہہ رہی تھیں۔ لڑکا رونی صورت بنائے کہنی تھامے بیٹھا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک لڑکی نے دوپٹے سے پٹی نکال کر اس کی کہنی پر لپیٹ دی۔ لوگ بھی کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔

"اجی۔ یہاں ویرانے میں ڈاکٹر کہاں' بستی تو پتا نہیں کہاں ہوگی' ہم تو مسافر ہیں' وغیرہ۔"

"دیکھیں۔ ہمارے پاس گاڑی ہے۔ ہم ساتھ چلیں گے' اس بچے کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ انجکشن بھی لگنا ضروری ہے۔ پلیز کوئی کسی سے' ہوٹل والوں سے پوچھ لیں' اگر ڈاکٹر کا..." لوگ ادھر ادھر جانے لگے۔

"دیکھیں' ادھر ہماری گاڑی ہے' گیس بھروانے گئے ہیں پاپا۔ میرے والد' ادھر' مگر ہم کسی کو جانتے نہیں' کوئی ساتھ چلے تو..."

بقیہ لوگ بھی تتر بتر ہو گئے۔ وہ ہچکچاتا ہوا آگے بڑھا تو ان میں سے ایک لڑکی نے لجاجت سے اس سے کہا۔

"آپ' ہمارے ساتھ چل سکیں گے؟"

"لیکن میں بھی ڈاکٹر کو کہاں سے لاؤں گا؟" بچہ اب رو رہا تھا۔

دوسری لڑکی نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اور تقریباً" اچھل کر بولی۔ "ارے آپی' یہ تو وہی ہیں' صامی کے منگیتر' سنیے' کیا آپ راولپنڈی تک ڈرائیونگ کر سکتے ہیں؟ پاپا کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے اور وہ ڈرائیو نہیں کر سکتے۔ سوچ رہے ہیں کہ ایک گھنٹہ ان کو یہاں ریسٹ مل جائے' اس لیے۔ اور یہ بچہ... اسے پنڈی لے جا کر ہی ڈاکٹر کو دکھا دیں' آپ اگر... پلیز..." جلدی جلدی بولتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ تمتما گیا تھا۔ بھورے بالوں کی لٹیں ماتھے پر پسینے سے چپکی ہوئی تھیں گو کہ دھوپ کملا چکی تھی۔ مگر اس کی تپش موجود تھی۔

"اس بچے کو ایک گاڑی ٹکر مار کر بھاگ گئی ہے۔ چونکہ پاپا ریسٹ کرنا چاہتے تھے تو اگر آپ ڈرائیو کر لیں' تو ہم پنڈی ذرا جلدی پہنچ سکتے ہیں اور اس کا علاج..."

"میری تو... دراصل میں بھی پنڈی جا رہا ہوں' وہ میری کوچ ہے۔ آپ کے والد کہاں ہیں؟"

"وہ گیس ڈلوا رہے ہیں' لیجیے آگئے۔"

"اچھا میں ان سے مل لیتا ہوں۔" گاڑی لڑکیوں کے پاس آکر رکی' اس میں بزرگوار موجود تھے۔ تقریباً" ابا جان کی عمر' وہی حلیہ' شکل سے ہی ناتوانی برس رہی تھی۔ وہ ان سے ملا۔ وہی تعارف۔

"پاپا! یہ صامی میری کلاس فیلو کے منگیتر ہیں۔ پنڈی جا رہے ہیں' ڈراپ کر لیں گے۔" مختصر تعارف۔

بزرگوار نے بغور دیکھا۔ سر سے پیر تک جانچا۔ پھر بولے۔

"صاحبزادے! ڈرائیونگ لائسنس ہے آپ کے پاس؟" وہی ابا جان والے خدشے۔ اس نے پہلی فرصت میں وضاحت جاری کی۔

"دیکھیے' میں کسی صامی کا منگیتر نہیں ہوں۔ وہ کزن ہے صرف۔ میرے پاس لائسنس ہے۔ میری بس ہارن دے رہی ہے' میں اپنا بیگ لے آؤں۔"

کہہ کر دوڑتا ہوا وہ اپنی بس پر پہنچا۔ ڈرائیور کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ بیگ اٹھایا اور گاڑی کی طرف چل دیا۔ جب اس نے صامی کے منگیتر کی حیثیت سے انکار کیا تھا' تو دونوں لڑکیوں میں سنسنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا تھا اور ذہن میں ایک ہی سوال ہتھوڑے لگا رہا تھا' یہ لڑکی' ہر جگہ مجھے ہی کیوں ملتی ہے' نہ لڑکی..." ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے والد بزرگوار کو دیکھا۔ وہ ٹانگیں لمبی کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے حالت آرام میں تھے۔

"سر! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ دوا کھائی ہے' پانی پی لیا ہے' اور ٹینشن ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ صاحبزادے! میں آپ پر اعتبار کر سکتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ آپ مومنہ کی کلاس فیلو کے کزن ہیں' بلکہ اس لیے کہ آپ کے چہرے پر شرافت اور نجابت کے تمام آثار موجود ہیں' میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میں نے آپ پر بھروسہ کر کے غلطی نہیں کی۔"

وہ آنکھیں بند کر کے سکون سے نیم دراز ہو گئے۔ پیچھے دونوں لڑکیوں کے درمیان میں وہ زخمی لڑکا بیٹھا تھا۔ اور دونوں بہنیں اس کی خاطر مدارات میں مصروف تھیں۔ چپس کھلائے جا رہے ہیں' کوک پلائی گئی' تھوڑی تھوڑی دیر بعد خیریت دریافت کی جا رہی ہے۔

"تم سو جاؤ۔ آرام آجائے گا۔"

بزرگوار کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر خرم سے محو گفتگو ہو گئے۔ سوالات' پھر یکدم کچھ یاد آنے پر ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولے۔

"ارے۔ کہیں تم ارجمند شاہ کے وہی بیٹے تو نہیں' جسے کرکٹ کا جنون تھا۔"

"جی۔" وہ حیران ہوا۔ "میرے والد کا یہی نام ہے۔ آپ' ان سے واقف ہیں؟ کس طرح؟"

کرکٹ کا سوال ٹال گیا۔ یہ اس کا کمزور پہلو تھا۔

"واقف کیوں نہ ہوتا۔ وہ میرے جوانی کے زمانے کے ساتھی ہیں۔ وہ بھی کرکٹ پلیئر تھے۔ میں ان ہی کے کلب سے کھیلتا تھا۔ اب کچھ وقت بدل گیا ہے۔ برسوں ملاقات نہیں ہوتی۔"

وہ جوانی کے قصے سناتے رہے۔ خرم لطف لیتا رہا۔ پیچھے خاموشی رہی' اب شام سہانی نے ماحول پر بسیرا کر لیا تھا۔ موسم بھی بہتر ہو چلا تھا۔ پنڈی قریب آرہا تھا اور پیچھے وہ لڑکا نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔ لہٰذا پھر وہاں یہ بحث چھڑ گئی کہ اس کو کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے یا سول اسپتال' آخر اس لڑکے نے خود ہی فیصلہ کر لیا اور کہا۔

"باجی! میرا گھر کوہ نور فیکٹری کے پاس گلی میں ہے۔ ابا فیکٹری میں چوکیداری کرتے ہیں۔ فیکٹری کا ڈاکٹر مفت علاج کرتا ہے۔ آپ مجھے گھر پہنچا دیں' بس۔"

کچھ ردوقدح کے بعد راضی نامہ ہو گیا۔ دس منٹ بعد پنڈی شہر کی حدود شروع ہو گئیں۔ کوہ نور مل بھی آگیا۔ لڑکے نے گلی کی نشاندہی کی اور خرم کار کو گلی کے اندر لے گیا۔ لڑکے کے ساتھ دونوں بہنیں بھی اتر گئیں۔ دروازے پر لڑکے کی ماں آئی۔ اس کو دونوں نے ماجرا کہہ سنایا۔ لڑکا بھی دخل در معقولات کرتا رہا۔ آخر میں جیب خالی کی۔ یعنی پرس سے دونوں نے ہزار ہزار کے نوٹ کے علاوہ سو سو کے کئی نوٹ بھی ماں کے حوالے کیے۔ پھر گاڑی میں آ بیٹھیں۔ ماں' بیٹا دروازے پر کھڑے رہے۔ کار اسٹارٹ ہونے تک لڑکیاں کھڑکی سے سر ٹکائے نصیحتوں کے بیان جاری کرتی رہیں۔

"باقاعدہ علاج کرانا' روز پٹی بدلوانا' دوا بھی لینا۔" بچے اور ماں کے دانت کسی طور پر اندر جا نہیں رہے تھے۔

بچے کے چہرے پر تکلیف کے آثار تک نہ تھے۔ ڈھائی ہزار کی آمدنی نے ہر زخم کا مداوا کر دیا تھا۔ ٹریفک بھی اب کافی ہو چکی تھی۔

سیٹلائٹ ٹاؤن کے ایک ہرے بھرے گھر کے اندر کار روک کر اس نے واپسی کی اجازت چاہی۔ مگر بزرگوار کو گوارا نہ ہوا۔ ان لوگوں کے ساتھ وہ بھی جھجکتے ہوا اندر آیا۔ گھر والوں سے اس کا تعارف کرایا گیا۔ پھر بہت اچھی سی چائے آئی۔ اور وہ اسلام آباد جانے کے لیے جب

گھر سے باہر آیا تو وہ دونوں بہنیں اور گھر کے مالک کا بیٹا بھی اسے رخصت کرنے گیٹ پر آئے۔

"سنیے۔ کیا واقعی آپ صامی کے منگیتر نہیں؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

خرم نے جواب میں گردن ہی نہیں ہلائی کانوں کو ہاتھ بھی لگایا۔ جب مون نے قدرے رک کر کہا تھا۔

"اس دن یو سی ایچ میں خون دینے کے لیے آپ ہی آئے تھے نا! تب صامی نے بتایا تھا کہ آپ ہی اس کے منگیتر ہیں۔"

"اچھا۔ آپ بھی وہاں تھیں؟" اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"جی۔ بلکہ میں نے آپ کو گلبرگ آئس کریم پارلر میں بھی دیکھا تھا۔ آپ کی بھابھی ساتھ تھیں... اور... صامی کے گھر پر بھی... آپ آئے۔"

"اچھا... مجھے یاد نہیں کہ... آپ کو کہیں دیکھا ہو۔" وہ بن کر بولا تھا۔

"لگتا ہے آپ کی نظر اور سماعت بھی کمزور ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "ورنہ جہاں مون صاحبہ ہوں اور ان پر نظر نہ پڑے، آواز نہ کانوں تک پہنچے، ہو نہیں سکتا۔"

مون نے ایک کمزور سا مکا لڑکے کو رسید کیا۔

"چپ... بدتمیز... بدنام تو نہ کرو۔"

وہ ان لوگوں کا شکریہ ادا کر کے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔ ٹیکسی فوراً مل گئی، لگتا ہے پنڈی میں ٹیکسیوں کی کمی نہیں۔ جیسے لاہور میں کال پڑا ہوا ہے۔ آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔

چھوٹی پھپھو کا گھر ہمیشہ کی طرح صاف ستھرا، پھپھو کے وجود سے خالی تھا۔ ان کا بیٹا موجود تھا۔ تھکن اتارنے کے لیے خرم تو لاؤنج میں ہی پیر پسار کر قالین پر بیٹھ گیا۔ شہزاد ہائیں ہائیں کرتا اسے صوفے پر بٹھانے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر اسے زمین پر ہی آرام آرہا تھا۔ شہزاد سب کا حال چال پوچھتا رہا۔

"پھپھو کب آئیں گی؟" اس نے پوچھا۔

"ارے مت پوچھو۔ گھر میں آنے کا دل ہی نہیں چاہتا امی کا۔" شہزاد خفگی سے بولا۔ "ان کی این جی او ہے اور وہ ہیں۔"

"مگر اب تو رات ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔ آفس کے علاوہ، یہاں جانا، وہاں جانا، غریبوں کی خیر خبر لینا، علاج معالجہ... لڑکیوں کی شادیاں، چندے وصول کرنا، ارے بابا! کوئی ایک کام ہو تو بتاؤں۔" خرم کو خوشی ہوئی، پھپھو فلاحِ بہبود کے لیے کافی مشہور تھیں۔

"رقم بھی اچھی مل جاتی ہے۔" شہزاد دبی زبان سے بولا۔

"رقم۔ یعنی تنخواہ؟"

"تنخواہ الگ... رقم الگ..." خرم، شہزاد کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"بھئی وہ جو چندے، امداد، ڈونیشن نام کی رقم ہوتی ہے، اس میں سے محنتانہ وصول کرنا تو حق ہے۔ اس میں خاصی برکت ہوتی ہے۔" "محنتانہ، خرم سوچ میں پڑ گیا، ابا جان کو شاید اس محنتانہ کی خبر نہیں، ورنہ، اسے یہاں ٹھہرنے سے روک دیتے۔

پھپھو کے آنے کے بعد کھانا لگا۔ دورانِ گفتگو سوال کر بیٹھیں۔

"صامی سے شادی سے انکار، تم نے خود کیا، یا بھائی جان کے دباؤ پر۔" اف۔ پھر وہی صامی، اس نے تفصیل سے انکار کی وجہ بتا دی۔ صامی کا مزاج، ذہنیت، اور اس کی سوسائٹی کچھ بھی قابلِ قبول نہیں۔

"تم... کیسی بیوی چاہتے ہو؟"

"پتا نہیں۔ ابھی کچھ طے نہیں کیا، مگر اپنے مزاج کے مطابق تو ہو۔ اور ابھی تو... شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔"

تھکن کا بہانہ کر کے وہ جلد ہی سو گیا۔ وہ مزید صامی نامہ سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔ اسلام آباد کی سہانی صبح، سرمئی پہاڑوں کے پیچھے حسین مناظر۔ سورج کی سنہری کرنیں، بادلوں کے کناروں کو نارنجی پیراہن پہنا رہی تھیں۔ سبز درختوں پر کاسنی رنگ کا تاثر، ہریالی اور ہلکی ہوا میں پھولوں کی مہک، ناشتے کے بعد ہی وہ پھپھو کی دی ہوئی کار میں ایمبسی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

اسلام آباد کی کشادہ صاف ستھری سڑکیں، نکھری ہوئی فضا، سوئے سوئے خاموش راستے، مہکتی ہوائیں، اور جنگل کی سائیں سائیں، اور پھر... ایمبسی کے وہ لمبے فاصلے پیدل چلتے ہوئے، قطار میں لگ کر، سارا لطف کرکرا ہو گیا۔ پھر آخر اس کا نمبر آ ہی گیا۔ اندر کا سرد ماحول، سرد فضا، سوال جواب کا سلسلہ اسے تو لگ رہا تھا وہ کٹہرے میں کھڑا ہے۔ اس پر فردِ جرم عائد کی جانے والی ہے، پھر... یہ مرحلہ بھی تمام ہوا۔

آفس والوں نے اس کے لیے کافی آسانیاں مہیا کی ہوئی تھیں۔ دوسرے کاؤنٹر پر جا کر اطلاع ملی، کل آئیں، ویزا مل جائے گا۔ شکر ادا کرتا باہر آیا اور وہی لمبی پیدل چلنے والی سڑک۔ کار پارکنگ پر پہنچ گیا۔ کسی نے اسے پکارا تھا۔ کون؟ ادھر ادھر گردن گھما کر دیکھتا رہا، تاحدِ نظر گاڑیاں ہی گاڑیاں، مختلف رنگ و نسل کی گاڑیاں۔ اور پھر اس نے... کچھ دور پر بڑھتے ہوئے، اپنے کل والے ہم سفر کو دیکھا۔

"کہو بھئی، ادھر کدھر؟" اس نے بتایا۔

"اچھا۔ کل تو تم نے بتایا نہیں تھا، چلو پھر تو شاید مومنہ کو بھی کل ہی ویزا مل جائے۔ دراصل، تنہا جانے والوں کو ویزا جلدی مل جاتا ہے۔"

خرم نے ہچکچاتے ہوئے مومنہ کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے بتایا۔ "مومنہ ایک فلاحی ادارے میں کام کر رہی ہے، اسے سوشل ورک کا شوق ہے۔ اور دکھی انسانیت سے ہمدردی، وہ ادارہ اسے کسی ٹریننگ کے لیے لندن بھیج رہا ہے، میں تو شاید اجازت نہ دیتا مگر وہاں میرا چھوٹا بھائی رہتا ہے، اس نے تسلی دی ہے۔ اولاد پر اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس سے بچوں کو حوصلہ ملتا ہے۔" وہ سر ہلاتا رہا (اپنے جوانی کے ساتھی کو بھی یہ سبق سنا دیتے)

"برخوردار! تم سے ایک درخواست ہے، اگر زحمت نہ ہو تو..." وہ شاید ہچکچا رہے تھے۔

"جی... جی... کہیے... میرے لائق کوئی خدمت۔"

"ایسا ہے کہ... طبیعت کچھ سست ہے، ہو سکتا ہے کہ کل ویزا مل جائے۔ ہمیں پرسوں روانہ ہونا ہو گا اور میں شاید تمہاری موجودگی کی وجہ سے... سہارا چاہتا ہوں۔ اگر پرسوں تمہیں جانا ہو تو..."

"جی... ضرور... فکر نہ کریں، میں ڈرائیو کر لوں گا۔" اس نے تسلی دی۔

"تو پھر... اپنا فون نمبر دے دو، لندن روانگی کب ہو گی؟"

"شاید پندرہ دن کے بعد۔"

"اوہو... تو ویزا کے لیے اتنی جلدی کیوں؟"

"احتیاطاً۔ آفس کے ضروری کام بھی ختم کرنے ہیں۔ ممکن ہے اور وقت لگ جائے۔" وہ تو کچھ دیر اور رکنا چاہتا تھا مگر صاحب کی اصول پسندی، اصرار کر کے اسے جانے پر مجبور کیا۔ پھپھو کا خیال کر کے وہ واپس روانہ ہو گیا۔ وہ اس کی واپسی کے انتظار ہی میں بیٹھی تھیں۔

"تمہیں کسی سے ملنا ہو تو میں تمہیں وہاں چھوڑ دوں؟"

اسے بھلا کس سے ملنا تھا، پھپھو کے جانے کے بعد وہ باہر نکل آیا۔

دوپہر میں چہل قدمی لیکن ہر سمت گھروں کے باہر سبزہ، گہرا سبزہ، گھر کے اندر سے جھانکتی ہوئی دیواروں پر چڑھی بیلیں۔ کہیں کہیں تو پورا پورچ ہی آئی وی کی گھنی بیل سے ڈھکا ہوا تھا۔ دیواروں سے چپک کر آئی وی نے بڑی خوبصورتی سے دیوار ہی کیا چھت کو بھی سبز چادر سے ڈھانک دیا تھا۔ ہر گھر کے آگے پھولوں کے تختے، آسمان پر بادلوں کے ہوائی بیڑے آرام سے اپنا راستہ بنا رہے تھے۔

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

صاف ستھرے راستے، پہاڑی سلسلے، فراخ شاہراہیں، خوبصورت وسیع مکمل قدرتی صناعی، حسن ہی حسن، ہواؤں میں خوشیوں کے پیغام، پھولوں کی مہک میں زندگی کی توانائی، چمکیلی دھوپ میں امیدوں کے اشارے، ہوا کے جھونکے تازگی شادابی کی نوید دیتے ہوئے۔ قدرت نے کس فراوانی سے دنیا کو سجایا سنوارا ہے۔

ہم انسان بھی کس قدر ناشکرے ہیں، ہم ناقدرے بھی ہیں اور ہم اپنے ملک اپنے شہروں میں خوبصورتی تلاش نہیں کرتے۔ بازار سے الم غلم خرید کر دیوار پہ سجا لیتے ہیں۔

"ارے میں کیا سوچنے لگا۔ یہ تو والد بزرگوار کے ارشادات ہیں۔ کیا میں بھی ابا جان جیسا بن جاؤں گا؟" ہنسی آنے لگی پھر یک لخت موسم میں تبدیلی سی ہوئی۔ بادلوں کا حجم بڑھ رہا تھا۔ نرم گھاس میں پیر دھنس رہے تھے۔

ہوا کے جھونکوں میں خنکی تھی، تپش میں کمی ہوئی، لطف آیا۔ ٹیکسی کر کے شکر پڑیاں چلا گیا۔ تفریح کے لیے آنے والوں کی کمی نہ تھی۔ عورتیں بچے زیادہ تھے۔ مردوں کی تعداد کم تھی۔ امی کو فون کر کے روداد سنائی ایمبسی کی۔

پھر گھر آ گیا، پھپھو ابھی نہیں آئی تھیں۔ ان کا بیٹا بھی نہ تھا۔ ملازم نے کھانا لگا دیا۔ کھا کر لیٹ گیا۔ ٹی وی لگا لیا۔ پھپھو آئیں۔

"وہاں لاہور میں کیا مصروفیات ہیں تمہاری؟"

ان کا سوال سمجھ میں نہ آیا۔ بتا دیا۔ "آفس سے گھر۔"

UrduPhoto.com

پھپھو حیران ہو گئیں۔

"ارے، کتنی روکھی پھیکی زندگی گزار رہے ہو تم۔ بھئی گھر میں کیا دلچسپی ہے۔ باہر دنیا کی رونقیں ہیں، گہما گہمی ہے، ہوٹل، ریسٹوران، دوست احباب، پارٹی پکنک، کوئی بینڈ جوائن کرلو۔ اوہو، یہی گانے بجانے والا۔ گٹار بھی نہیں ہے؟ کوئی لڑکی ہے دوستوں میں؟ اچھا، کیوں کلاس فیلو لڑکیاں۔"

"میں لڑکیوں میں پاپولر نہیں ہوں پھپھو!" اس نے اپنی ناکامی تسلیم کی۔

"کرکٹ کھیلنے کے باوجود؟ لڑکیاں تو کرکٹ کے پلئیر کی دیوانی ہوتی ہیں۔ پارک چلے جایا کرو، وہاں لڑکیاں بھی آتی ہیں۔"

"لڑکیاں....؟ مگر میرا کیا واسطہ؟"

"دیکھا کرو، پسند کرو، دل کو جو بھائے، اس سے شادی کرو۔" پھپھو کے مشورے عجیب تھے۔

"میں دیکھوں؟ پسند کروں؟ کیوں مگر راستہ چلتی کسی بھی لڑکی کو پسند کر کے شادی کرلوں۔ ابا جان مجھے الٹا لٹکا دیں گے۔ کیسا مشورہ دے رہی ہیں آپ؟" وہ ناراض ہو گیا۔

پھپھو ہنسنے لگیں۔ ہنستی رہیں۔

"تم بھائی واقعی عجیب ہو، اپنے باپ کا نمونہ۔ اعظم نے بھی بھائی جان کی پسند سے شادی کی۔ تم بھی یہی کرو گے۔"

"پھپھو! ماں باپ کی پسند سے شادی نہیں کرنی چاہیے؟"

"اپنی پسند بھی شامل ہو تو زندگی بہتر ہوتی ہے۔ اب تو لڑکیاں بھی اپنی پسند کو ترجیح دیتی ہیں۔ لڑکے بھی اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تم لوگ ہو، پرانے زمانے کے لیکن سوچو، زندگی بھر کا سفر، کیا دوسروں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں کوئی آسانی یا خوشی ملے گی؟"

"دوسرے.... اگر غیر نہ ہوں، اپنے ہوں، خیر خواہ، ہمدرد جن پر ہمیں سو فیصد اعتبار بھی ہو تو...."

"پھر بھی جوان خون، بوڑھے خیالات، فرق ہوتا ہے بیٹا! آج کی دنیا مختلف ہے، پچھلے زمانے سے۔ سائنسی ایجادات نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اب تو ہر نوجوان سائنس کو ذہن میں رکھ کر پسند کی ترازو میں تول کر فیصلہ کرتا ہے۔ غلط فیصلے پوری زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔"

"پھپھو! میں قدرت پر، قسمت پر یقین رکھتا ہوں۔ آپ کے خیال میں کیا میں غلط سوچ سکتا ہوں؟ اچھا آپ بتائیں، میں کس سے شادی کروں؟"

"بیٹا! بزرگوں، قسمت، یہ سب دقیانوسی اختراع کے سوا کچھ نہیں۔ محض فرماں برداری کچھ نہیں دیتی۔ آج کے تقاضے کچھ الگ ہیں۔ دولت مند حسین بیوی کا خواب دیکھنا گناہ تو نہیں۔"

"حسین بیوی میرے خیالوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی مگر دولت مند سے کیا مراد ہے آپ کی۔ میں جاہل ان پڑھ فقیر تو نہیں ہوں۔" غصہ آگیا۔

"مجھے تنگ نظری سے اختلاف ہے۔ تمہارے باپ تمہیں اپنے راستے پر چلانا چاہتے ہیں، میں تمہیں عیش و آرام کی زندگی گزارتا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"میں بے حد عیش و آرام میں ہوں، مجھے کیا تکلیف ہے۔"

"آخر فہد نے بھی اپنی پسند سے شادی کی ہے۔"

"او میرے خدا....! اللہ نہ کرے کہ میں ایسی حماقت کروں۔ کیا آپ کو عطیہ پسند ہیں۔ آپ کو ہمارے گھر کا سکون گوارا نہیں؟ کیوں پھپھو!"

اس کو اشتعال میں دیکھ کر وہ چپ ہو گئیں۔ "بھئی مجھے کیا اعتراض مگر اعظم کو اس شادی سے ملا کیا؟ سنا ہے جہیز میں بھی کچھ خاص نہ تھا۔ ملائی.... پتا نہیں، کچھ دیکھا نہ سنا۔"

"آپ کا خیال ہے ہم لوگ بھکاریوں کی طرح سسرال سے رقمیں وصول کریں۔ جی نہیں، اعظم بھائی نے جہیز لینے سے انکار کیا، سلامی واپس کردی اور یہی میری بھی شرائط ہیں۔"

وہ مختصراً انہیں سمجھانا چاہتا تھا۔ خالہ کے پاس تو اتنی دولت تھی، دینا بھی وہ چاہتی تھیں مگر اعظم نے تو ان کے دیے ہوئے تحائف بھی واپس کر دیے تھے اور صولت.... اس جیسی بہو تو پورے خاندان میں نہ تھی۔ خرم نے پھپھو کو جتا بھی دیا۔ دیر تک بحث کے بعد پھپھو نے آسان لفظوں میں مدعا ظاہر کیا۔

"آپا کا فون آیا تھا، صامی بہت اَپ سیٹ ہے۔ وہ تمہارے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔"

"میں نہیں کرتا اور میں اس اصول کو ترجیح دوں گا کہ شادی اس سے کرو جسے تم چاہو اور اور پھپھو! میں اور صامی، ندی کے دو کنارے ہیں جو کبھی نہیں ملتے اور جسے آپ

تنگ نظری کہہ رہی ہیں، وہ ہمارے مذہب کی عطا کی ہوئی ہے۔ یہ تنگ نظری نہیں، بالغ نظری ہے، عقل شعور کا استعمال، میرا حق ہے۔ میں کبھی بھی آپ کے بتائے راستے پر نہیں چلوں گا کیونکہ ہمارے درمیان ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے۔ میں اپنے گھر کا سکون، خاندان کی عزت صامی جیسی کسی لڑکی پر قربان نہیں کروں گا۔"

اپنی ناپسندیدگی ظاہر کر کے پُرسکون ہو گیا، رات کو پھر یہی موضوع شروع ہوا۔ شہزاد آگیا تھا، کہنے لگا۔

"امی! آپ میری شادی صامی سے کروا دیں۔ میں اس کو سیدھا کر دوں گا۔ انوکھی لاڈلی، کھیلن کو مانگے چاند۔"

☆ ☆ ☆

رات کو ہم سفر محترم کا فون آگیا، سیدھا سوال کیا۔

"پرسوں روانگی ہے، اگر تمہارا پروگرام بدل گیا ہے تو.... بتا دو۔"

خرم کو اور کیا چاہیے، خوش ہو گیا۔ پھپھو سے بحث کی تلخی فراموش کر کے گنگنانے لگا۔ دو حسین خواتین کی ہمراہی۔ ہائیں، یہ میں کس راستے پر چل پڑا۔ ابھی پھپھو سے لڑکیوں سے بے زاری، لاتعلقی کا اظہار، ابھی ان کا تصور، توبہ.... پھپھو نے اس سے معذرت کرلی۔ وہ صرف بڑی پھپھو کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ حالانکہ نئے زمانے، نوجوانوں کی خواہشات ان کی اپنی ترجمانی تھی۔

شہزاد ایک بینڈ سے وابستہ تھا۔ لڑکیوں سے دوستی، گھومنا پھرنا اس کے لیے عام بات تھی۔ پھپھو تو کام اور جاب کے سلسلے میں گھر سے باہر رہتی تھیں۔ وہ گھر میں جتنی دیر رہتا، فون سے چپکا رہتا۔ گھر میں دوستوں کی آمد اسی وقت ہوتی، جب پھپھو دیر کے لیے گئی ہوتیں اور گھر میں ناچ رنگ، دھوم دھام مستی، پینا پلانا بھی روا تھا۔ پھپھو غالباً آگاہ نہ تھیں، اگر تھیں تب بھی نظر انداز کرتی تھیں۔ یہ شہزاد نے خود ہی رات کو چہل قدمی کرتے ہوئے بتا دیا۔

پھوپھا صاحب دوبئی میں کمائیاں کر رہے تھے۔ غرض کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ یہ نیا زمانہ، وقت کے تقاضے، استغفار۔ اس کا ذہن نئے تقاضوں کو قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔ یہ تو صاف تباہی کا راستہ ہے۔ ادھر بڑی پھپھو کی دی ہوئی آزادی نے اولاد کو نہ جانے کس ڈیس کا باسی بنا دیا۔

بیٹے تو گل کھلا رہے تھے، بیٹی بھی انجان راہوں کی مسافر بن گئی۔ اسے اپنے باپ پر فخر ہو رہا تھا۔ انہوں نے سختی، پابندیاں اور فرماں برداری کے اصولوں کو سامنے رکھ کر اولاد کو نیکی بدی کا فرق سمجھایا تھا۔ جس راستے پر خود چلتے رہے، اولاد کو بھی اسی راہ پر چلنے کا عادی بنا دیا۔ اب وہ برے بھلے کی تمیز تو کر لیتا تھا اور وقت کے ساتھ خیال بھی بدل سکتا ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ بدی اختیار کرلے۔ خرم کا خیال تھا کہ شہزاد اسے پنڈی تک پہنچا دے گا۔ مگر شہزاد کے پاس بھی وقت کی کمی کا رونا تھا۔

ٹیکسی پر سیٹلائٹ ٹاؤن پہنچا، گاڑی دھلی دھلائی چمکتی ہوئی تیار تھی۔ بزرگ محترم بھی مکمل تیار، نہا دھو کر پینٹ شرٹ میں ملبوس۔ ان کے اصرار پر ناشتہ بھی کرنا پڑا۔ روانہ ہوئے تو دھوپ پورے شہر پر نور برسا رہی تھی۔ راستے میں وہ اپنی بیماری، طبیعت کی خرابی، داووں کی تفصیل بتاتے رہے۔

لڑکیاں حیرت انگیز طور پر خاموش تھیں۔ والد محترم کے سامنے کم ہی بولتی تھیں شاید۔ جب کوہ نور فیکٹری قریب آئی تو پیچھے سے آوازیں آنے لگیں۔ اس لڑکے کی خیریت معلوم کرنی ہے۔ والد صاحب نے گردن سے اشارہ ہاں میں کیا۔ والد صاحب فرماں بردار ہیں، ثابت ہوا۔ گلی کے باہر گاڑی کھڑی کر کے لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی اترا۔ لڑکے کے گھر پر تالا پڑا تھا، ساتھ والے گھر کو کھٹکھٹایا کیونکہ مون صاحب کو یقین تھا بچے کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہو گی۔ سب ہاسپٹل گئے ہوں گے، زخم بگڑ گیا ہو گا۔ جاہل ماں باپ پروا بھی نہیں کرتے۔

ایک خاتون اور ایک نوجوان باہر نکلے۔ مومنہ نے ساتھ والے گھر کی طرف اشارہ کر کے بچے کی خیریت دریافت کی۔ نوجوان نے ان تینوں کو جن نظروں سے دیکھا، وہ حیران کن نظریں تھیں جیسے بہ زبان خاموشی کہہ رہا ہو۔

"عجب کہہ رہے ہو بھئی۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اچھا.... پرسوں آپ ہی لائے تھے اسے۔"

"ہاں ہاں، کیوں، کیا ہوا، خیریت تو ہے؟" مومنہ ہکلا گئی۔

"ہونا کیا تھا جی۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔ "یہ تو ان لوگوں کا دھندا ہے۔ جھوٹ موٹ ایکسیڈنٹ کا بہانہ بنا کر رقم بٹورنا۔ کبھی یونہی چلتی کار کو ہاتھ مار کر رونا دھونا، کافی کما لیتے ہیں۔"

"تمہیں نہیں، اس کے خون نکل رہا تھا، ماتھے پر زخم تھا، کہنی کی چربی نکل گئی تھی، ہیں کہاں؟" بے یقینی۔

UrduPhoto.com

مون بری طرح گھبرائی۔

"اوجی' تیسی بہت بھولے ہو۔ ڈراما کرنے کے لیے ہاتھ پیر میں نقلی خون یا نقلی زخم بنانا کون سا مشکل ہے۔ ہم تو روز دیکھتے ہیں' خود تو کبھی کوئی چھوڑنے نہیں آتا۔ آپ ہی پہلی بار آئی تھیں' ورنہ لوگ سو پچاس دے کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ کل سے تو ان کی عید ہو رہی ہے۔"

دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ منہ لٹکائے واپسی اختیار کرلی۔ خرم ان کے پیچھے تھا۔ ضبط کے باوجود اس کی ہنسی نکل گئی۔ گاڑی کے پاس آکر دونوں غڑاپ سے اس کے اندر داخل ہو گئیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو والد بزرگوار نے پوچھا۔

"بھئی' کیا حال ہے اس بچے کا؟"

"بہت زبردست' عید منا رہا ہے۔" خرم نے کہا۔ پھر اس نے ان کو پورا واقعہ سنایا۔

"واقعی زبردست کاروبار ہے۔"

پچھلے حصے میں اندوہناک خاموشی طاری تھی پھر کچھ دیر بعد بحث شروع ہو گئی' اس بحث میں والد بھی شریک تھے۔ خرم خاموش رہا پھر ہوٹل پر اتر کر سب نے ہاتھ پیر سیدھے کیے' بوتلیں منگائیں۔ والد نے سگریٹ سلگایا تو دونوں بیٹیاں شور کرنے لگیں تو بولے۔

"بس بیٹا! ذرا تکان اتارنے کا بہانہ ہے' گاڑی میں تو پی نہیں سکتا تھا۔ میاں تم بھی پی لو۔"

خرم شرما گیا۔ "جی' میں سگریٹ نہیں پیتا۔ دھواں برا لگتا ہے۔" مگر ساتھ ہی شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔ یہ کیا کہیں گی۔ ایک جوان آدمی سگریٹ کے دھویں سے ڈرتا ہے مگر جب ان پر نظر پڑی دونوں کے چہرے کھلے کھلے تھے۔ والد بزرگوار بھی مسرور نظر آئے۔

"پاپا! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ سگریٹ نہیں پئیں گے۔ صبح ناشتے کے بعد بھی آپ نے پی اور اب پھر۔"

"تو وہ تو صبح والی تھی' دن میں ایک سگریٹ کا وعدہ جو تھا اور یہ تکان دور کرنے کے لیے ہے۔"

سگریٹ ہونٹوں میں دبائے واش روم کی طرح چلے گئے۔ لڑکیاں اس سے باتیں کرنے لگیں۔ سب سے پہلے صامی کے منگیتر نہ ہونے کی تصدیق چاہی پھر ویزا کے بارے میں تبادلۂ معلومات۔ آخر میں ہنیا نے انکشاف کیا کہ مومنہ تو خرم کو کرکٹ کی وجہ سے بہت پسند کرتی تھی۔ اس کی ایک کلاس فیلو کا بھائی بھی ٹیم میں تھا بلکہ وہ اپنی سہیلی کے ساتھ ایک بار ان کا میچ دیکھنے بھی گئی تھی۔

خرم سمجھ گیا' وہ زید تھا' مومنہ جس فلاحی ادارے میں کام کر رہی تھی' وہاں اسپیشل بچوں کی تعلیم اور تربیت کا بھی انتظام تھا۔ اب مومنہ ان بچوں کو پڑھانا چاہتی تھی اور اسی ٹریننگ کے لیے اسے لندن بھیجا جا رہا تھا۔ مومنہ بہت سنجیدہ تھی اس کام میں' خرم کو خوشی ہوئی۔ وہ نہ صرف رحم دل تھی اس کا عزم حوصلہ' اعلا مقاصد کے حصول کی کوشش۔ زندگی صرف عیش و آرام یا دو اور دو چار کے لیے نہیں ہوتی۔ اسے بامقصد بنانا اولین فرض ہونا چاہیے۔

جب مومنہ بول رہی تھی' وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی ذہن میں خواہش نے سر ابھارا۔

"ہاں' ایسی ہی شریکِ حیات زندگی کو نیا رنگ نیا امنگ دے سکتی ہے۔ ہمدرد' بے غرض' پرخلوص' دردمند وہ جو غیروں کی مدد اور ہمدردی میں کچھ کرنے کے عزم کے ساتھ اتنی تگ و دو کرتی ہے' وہ پورے خاندان کے لیے کتنی بہترین ہوگی۔ ایک مکمل عورت' ایسی شریکِ حیات قسمت والوں کو ملتی ہے۔ میں خوش نصیب کہلانا ہی نہیں بننا بھی چاہتا ہوں۔"

سفر شروع ہوا تو خرم بھی سب کی گفتگو میں ایک دو جملوں کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اسے یہ سفر مبارک ثابت ہوتا نظر آرہا تھا۔ لاہور پہنچ کر ان لوگوں کو گھر پر اتارا تو مرد معقول والد محترم نے اصرار کیا کہ وہ خود اسے اس کے گھر پہنچا کر آئیں گے۔ زیادہ انکار بھی مناسب نہ تھا۔ لڑکیاں والدہ کو بلا کر لائیں۔ انہوں نے خرم کی ڈرائیونگ پر شکریہ ادا کیا۔ اسے انعام میں آئس کریم کھلائی اور جب والد محترم گاڑی کی طرف روانہ ہوئے' محترمہ بھی ساتھ آگئیں۔

"چلو اس بہانے میں باجی سے مل لوں گی۔" (باجی؟)

وہ پیچھے تھا تب مومنہ نے خدا حافظ کہنے کے بہانے اسے روک کر کہا۔ "آپ... وہاں اتنی زور سے ہنسے کیوں تھے میری حماقت پر؟"

"بالکل نہیں' اس خاتون کے سوپچاس کہنے پر۔"

"میں تو قسمت کی قائل ہوں' جس کے نصیب میں جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا ہوتا ہے' مل کر رہتا ہے۔ وہ رقم اس کی قسمت کی تھی۔ افسوس تو نہیں ہے۔ ہاں اس بات کا ضرور قلق ہے کہ وہ اگر جھوٹ کے بجائے سچ مچ مانگتا' تب بھی میں تو ضرور دیتی۔"

☆ ☆ ☆

گھر میں ان بن بلائے مہمانوں کی ایسی پذیرائی ہوئی کہ وہ دنگ رہ گیا۔

"جاؤ' تم اعظم' معظم دونوں کو بلاؤ۔ صولت سے کہو کچھ لے کر آئے اور تم جا کر نہالو۔ وحشت برس رہی ہے چہرے پر۔" امی نے کہا۔

وہ مسکراتا ہوا کمرے میں آیا' وحشت...؟ یا محبت' امی اسے محبت کہتے ہیں۔ ایک مرد کی خواہش خوب صورتی سے زیادہ خوب سیرتی کی دلدادہ ہوتی ہے۔ اپنے خیالوں میں گم ہوا معظم اور معظم کو امی کا پیغام دینا بھول گیا۔ جب یاد آیا تو زبان دانتوں میں دبالی۔ اب شامت آئی مگر نہیں' کچھ نہ ہوا۔

رات کو حسبِ معمول لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے معظم نے چپکے سے کہا۔

"بھائی! ایک بات کرنی ہے۔"

وہ رک گیا۔ "ہاں' کرو۔"

"بھائی! آپ میرے لیے... ابا جان سے بات کریں گے؟"

"بھائی پلیز۔" خرم کے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے وہ پھر بول پڑا۔ "آپ میرے لیے... میری خاطر... ثروت سے شادی سے انکار کردیں گے؟" اس کا لہجہ انتہائی دردمندانہ تھا۔

خرم کے حواس پر بجلی گری' دم بخود کھڑا رہا۔

"بھائی یہاں یہی مشورے ہو رہے ہیں' خالو بھی آئے تھے' آپ شاید سو گئے تھے۔"

"یہ... یہ سلسلہ... کس نے شروع کیا ہے؟" وہ خواب سے جاگا تھا۔

"پھپھو نے ہر طرف سے دباؤ ڈلوانا شروع کردیا ہے' اس لیے یہی سمجھ میں آیا۔" وہ پھر من من کرنے لگا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھ سے پوچھے بغیر؟"

"ابا جان چاہتے ہیں کہ آپ کا نکاح کرکے... بھائی میری زندگی کا سوال ہے' انکار کردیں گے۔ آپ کر سکتے ہیں۔"

وہ شدید رنج و غصے میں اندر آیا' معظم مسکرایا۔

وہ اپنی زندگی کے بارے میں ایک واضح سوچ رکھتا ہے' کس طرح ابا جان کے فیصلے کو قبول کرے۔ کہیں پھپھو کی بات صحیح تو نہیں ہو جائے گی۔ دوسروں کے بنائے راستوں پر چلنے سے کوئی خوشی نہیں ملتی۔ ماں باپ پر اس لیے اعتماد نہیں کیا جاتا کہ وہ ہمارے جذبات' خواہشات اور امنگوں کا خون کردیں۔ اگر معظم درخواست نہ بھی کرتا' وہ ثروت کے لیے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ پہلے' نہ اب۔ اب تو دل کے معاملات کسی اور نہج پر پہنچ گئے تھے۔ اب والدین کی یہ خواہش بلکہ حکم بھی ماننا ممکن نہ رہا' نہیں۔

ابا جان' امی جان کا کمرہ بند تھا۔ وہ سونے کے لیے جا چکے تھے اور اس وقت ان سے بات کرنا... وہ جانتا تھا ابا جان سونے کے لیے لیٹ جائیں پھر کسی سے ملتے ہیں نہ بات کرتے ہیں۔ اوقات کی پابندی زندگی کے ہر معاملے میں سختی سے عمل کرتے تھے۔

وہ ہتھیلی پر مکے مارتا کمرے میں آگیا' نیند غائب' سکون ندارد۔ کیسی نیند اور کیسا قرار۔ ٹہل ٹہل کر تھک گیا۔ منصوبے بناتا رہا' بات کس طرح کرنی ہے' کیسے منوانی ہے۔ نہ ماننے کے پاس دلائل کی کمی نہیں۔ فقرے ذہن میں دہراتا رہا' نہ جانے کب تھک کر لیٹا تو نیند آہی گئی۔ بے چینی سی بے چینی تھی۔ معظم نے تو اس کے پورے جسم کو شعلوں میں نہلا دیا تھا۔

صبح جلدی آنکھ کھلی' موقع اچھا تھا' منہ دھوئے بغیر ہی کمرے سے نکلا۔ حسبِ توقع ابا جان لاؤنج میں تشریف فرما تھے۔ اخبار دیکھ رہے تھے' ان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ ہائے مگر بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی۔ ابا جان نے عینک اتاری۔

"اوہو... آیئے آیئے... صبح بخیر... نصیب دشمناں طبیعت درست ہے؟ آج کہاں جانا ہے' جس کے لیے اٹھ کر آئے ہیں آپ؟"

وہ انگلیاں مروڑنے لگا۔

"جو بات کرنی ہے کرو' حیادار لڑکیوں کی طرح انگلیوں پر ظلم نہ کرو۔ مرد بنو مرد۔"

"اف..." شرم سے پانی پانی ہوتے ہوئے اس نے محض ہنکارا بھرا۔ مرد بننا چاہیے' گردن پر ہاتھ پھیرا۔ بالوں میں انگلیوں سے کنگھا کیا۔ ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ابا جان! میں ثروت سے شادی نہیں کروں گا۔"

ابا جان کے ہاتھ سے اخبار پھسل کر زمین پر جا گرا۔ (مارے حیرت کے)

"کس سے کرو گے؟" سیدھا صاف سوال تھا۔

UrduPhoto.com

"وہ... جو کل آئے تھے۔"
"ہیں... ان سے...؟ وہ تو مرد ہیں۔ لاحول..."
شرما گیا۔ "جی... نہیں... وہ ان کی بیٹی..."
"دو بیٹیاں ہیں ان کی۔"
"جی... وہ ایک جو... مومنہ نام ہے' وہ ٹھیک ہے۔"
گڑبڑا گیا۔
"تمہیں کیسے علم کہ وہ ٹھیک ہے۔ یہ اندازہ کس طرح لگایا تم نے۔"
"جی... آپ کے دوست کی بیٹی ہے' غلط کیسے ہو سکتی ہے۔"
اس نے ہوا میں تیر چلایا تھا جو درست نشانے پر لگا۔ ابا جان آنکھیں چمکانے' گردن ہلانے لگے۔ "غضب کا اندازہ ہے۔"
"آپ... ثروت کی معظم سے کردیں۔" کہہ کر تقریباً" بھاگ پڑا۔ ابا جان کا قہقہہ سنا نہیں' اپنی ہیجانی کیفیت کے باعث۔
ناشتے کے وقت معظم اسے گھورتا رہا' خرم نے اس سے نظر نہیں ملائی۔ سب سے پہلے آفس کے لیے نکل گیا۔ دل وہاں بھی اکھڑا اکھڑا تھا۔ واہ بھئی' یہ حضرت دل بھی خوب ہیں۔ کہنے کو خون کا ایک لوتھڑا مگر کس غضب کے فیصلے کر ڈالتے ہیں۔ ابا جان کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا' اس دل نے چھ فٹ کے توانا مرد کو پاگل' بے چین' مضطرب بنا ڈالا۔
آفس سے زید کی طرف چلا گیا۔ اس کے گھر کئی دوست جمع تھے' ٹیبل ٹینس اور بیڈمنٹن کے میچ ہو رہے تھے۔ وہ بھی شامل ہو گیا۔ زید کے اصرار پر کھانا بھی کھایا۔ زید کو جاب مل گئی تھی اور چند دن بعد اس کی منگنی بھی ہو رہی تھی۔
"ویسے تمہاری کزن صامعہ نے تو زید کے گھر کے کئی چکر لگائے' اس کی امی کو بھی متاثر کرنا چاہا۔" امجد مسکراہٹ دبا کر اسے سنا رہا تھا۔
"مگر یہ زید بڑا گھنا ہے' اس نے پہلے ہی اپنا دل کا رشتہ پکا کر رکھا تھا۔ صامعہ کو بھی ہری ہری دکھاتا رہا اور دوسری طرف تو معاملہ دل کا تھا۔"
امجد معلوم نہیں کیوں اسے بتا رہا تھا۔
"میں تو سمجھا کہ بس یہ تو گیا کام سے' یقیناً صامعہ کی نئی کار پر پھسل جائے گا۔" اکبر بھی خرم سے مخاطب تھا۔
"چھوڑو یار! پرانی بات ہو گئی۔" زید نے خرم کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر بات ٹالی۔ "میرا اس کا کوئی چکر نہیں تھا' وہ تو خرم کو میرے ذریعے سے فتح کرنا چاہتی تھی' اس لیے آتی تھی اور تم نے فضول سا نظریہ قائم کر لیا۔"
زید جھلا گیا تھا۔ خرم سے اور رکا نہیں گیا' وہ ٹیبل ٹینس کا میچ ادھورا چھوڑ کر آ گیا۔ دل پر بوجھ آ گیا تھا۔ چپ چاپ کمرے میں گھس گیا اور صامعہ کی بے باکی اور آزادی کو کوسنے لگا۔ جب لڑکیوں میں شرم حیا نہ ہو' اپنی عزت کا خود احساس نہ ہو تو دوسرے بھی اسے بے دھڑک نشانہ بنا سکتے ہیں۔ ان کی اتنی ہمت کیوں کر ہوئی کہ میرے سامنے میری کزن پر فقرے چست کریں۔ یقیناً اس میں صامی کی غلطی ہے۔ پھپھو کی اور ان کے گھر کے ماحول کی۔ ابا جان تو بار بار متنبہ کرتے رہے کہ اتنی آزادی نوخیز ذہنوں کے لیے خطرہ بن جاتی ہے مگر دولت کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے اور پیسے سے ہر قیمتی چیز خرید لینے والے نہیں جانتے عزت... انمول ہے۔

☆ ☆ ☆

صبح ویسی ہی تھی' سب کچھ حسب معمول تھا مگر سب کچھ ویسا ہونے کے باوجود ویسا نہ تھا۔ نظر نہ آنے کے باوجود ہلچل تھی۔ امی صولت کے واری صدقے جا رہی تھیں۔ فریش جوس پلانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ اعظم بھائی اپنے ناشتے کے بجائے صولت کی فکر میں مبتلا۔ جدھر صولت جاتی' ان کی نظریں ادھر ہی گھوم جاتیں۔ معظم سنجیدگی سے ناشتہ کر رہا تھا۔
کہیں یہ ویسا قصہ تو نہیں جس کا اندیشہ میرے تمام میچوں کی طرح... ناکامی میرا مقدر... سلائس پر مکھن لگانا مشکل ہو گیا۔ امی نے اس کے ہاتھ سے چھری لے لی۔ مکھن لگا کر اسے دیا۔ ہمیشہ کی طرح امی اس کے ادھورے کام پورے کر دیتی تھیں۔ نہ جانے ان کو میرے جذبات نظر آ رہے ہیں یا نہیں۔ میرے اندر جوار بھاٹا ان کو اس کا احساس ہے کہ نہیں۔ میری زندگی' میرے خواب اور خواہش۔ صولت بھی نہ جانے کن کاموں میں مصروف تھی۔ وقت گزر رہا تھا' کوئی نئی بات... امی فون پر محو گفتگو تھیں' ان کو مخاطب کرنا... ہمیشہ ان تینوں کو اس بات پر ڈانٹ پڑتی تھی۔
"سارے کام' ساری ضرورتیں' تم لوگوں کو اسی وقت

یاد آتی ہیں جب میں فون کررہی ہوتی ہوں۔ خود تم لوگ دن بھر فون سے چمٹے رہو تو ٹھیک۔" وہ بلالحاظ سب کو ڈانٹ دیتی تھیں۔

"ہاں' نہیں بھئی' بس دیکھو' تمہیں خرم کی عادت کا تو پتا ہے' کسی چیز کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ بچپن سے اس کی عادت ہے کہ سامنے دس طرح کی نعمتیں رکھی ہوں گی' وہ ایک اسی چیز کو مانگتا رہے گا جو ختم ہوگئی ہو' روتا رہے گا۔ ارے نہیں فوزیہ! لڑکیوں کی کیا کمی ہے مگر وہ مانے تب.... ہاں صامی اچھی ہے' اپنے گھر کی بچی مگر خرم خاندان میں شادی کے خلاف ہے' تم کو بتایا ہوگا اس نے۔"

چھوٹی پھپھو؟ (واہ امی... ! تو ثروت خاندان سے باہر ہے)

"بھئی بچوں کی مرضی بھی دیکھنی ہوتی ہے۔ ارے ہم جبر کیوں کریں گے۔ اعظم ماشاء اللہ بہت خوش ہے۔ ہم اپنے بچوں کے دشمن تو نہیں ہیں۔ ہاں خرم ٹھیک ہے۔ آپ کا اپنا گھر ہے فوزیہ! ضرور آؤ' میکہ ہے آپ کا۔ اچھا خدا حافظ۔"

(کوئی روکے' ارے روکو انہیں آنے سے)

"امی! آپ پھپھو سے کیا کہہ رہی تھیں؟"

امی منہ بنا کر بیٹھی تھیں' بڑبڑا رہی تھیں۔ "آرہی ہیں فوزیہ بیگم!" (ارے تو روک دیں)

"ہاں' وہی جو تم بچپن سے ایک ہی اندیشے میں گھرے رہتے ہو کہ جو چیز تم کو چاہیے تھی' وہ کسی اور نے لے لی۔ اعظم نے جو آم کھالیا' وہی تمہیں چاہیے تھا۔ اب چاہے گھر میں ڈھیروں فروٹ رکھے ہوں اور کتنے قسم کے بسکٹ ہوں مگر ختم ہوجانے والی نعمت ہی تمہیں چاہیے' وہی پسند ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا' تم اس اندیشے سے جان چھڑالو' سمجھے۔ ننھے بچے نہیں ہو تم کہ ہم تمہیں سمجھائیں گے' سہلائیں گے' بہلائیں گے اور ہاں... تمہاری پھپھو آرہی ہیں' ان کے سامنے مضبوطی سے ڈٹے رہنا' ہمیں شرمندہ نہ کردینا۔"

یہ امی کیا کہہ رہی ہیں' سمجھ میں کچھ آیا ہی نہیں۔ کیا میں واقعی احمق' بے وقوف' بدھو ہوں۔ وہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہ رہا تھا مگر کسی نے ایسا ہونے ہی نہ دیا۔ شور کرتا معظم پیچھے فریادیں کرتی ہانپتی ہوئی صولت' اس کے پیچھے مسکراتا اعظم۔

سب نے یکبارگی ہلّہ بول دیا۔ معظم کے ہاتھ میں چھوٹی سی فراک اور ایک چھوٹا منا سا تکیہ تھا۔ وہ انہیں سر سے اوپر اٹھائے ڈانس کررہا تھا۔ صولت اس سے جھپٹنے کی کوشش میں ہلکان تھی۔

"خالہ امی..... خالہ امی... ! دیکھیے۔"

بس انہی الفاظ کو دہرا رہی تھی۔ امی ہنستی ہوئی اٹھیں۔ معظم کے ہاتھ سے فراک اور تکیہ اعظم نے لے لیا اور صولت کو دے دیا۔ صولت کے چہرے پر حیا کی سرخی چھا گئی۔ معظم امی کے پاس بیٹھ گیا۔ امی نے صولت کو گلے لگا کر پاس بٹھالیا۔

"اتنا چھوٹا دل ہے آپ کی بھانجی کا۔ یہ فراک میں لے لیتا' اس تکیے پر اپنی کہنی رکھ لیتا تو....."

"ارے نقصان تو اسی کا ہوتا' تین دن کی محنت سے یہ ذرا سی فراک اس نے تیار کی ہے۔ تمہیں کیوں دیتی' اپنے بچے کے لیے سی ہے۔" امی نے صولت کے ماتھے کو چوم لیا۔ "میری بچی نے' اپنے لاڈلے کے لیے تیار کی ہے۔"

اعظم فخریہ انداز میں صولت کو دیکھ رہا تھا۔ معظم نے صولت سے تکیہ لے لیا' کھڑے ہوکر اسے اس طرح بازوؤں میں لے کر ہلانے لگا جیسے چھوٹے بچے کو سلانے کے لیے ہلاتے ہیں۔ سب ہنسے تو صولت باہر بھاگ گئی' سب خوش تھے اور اس خوشی کے وقت خرم کو اپنا معاملہ پیش کرنا مناسب نہیں لگا۔ یوں بھی آفس ٹائم' وہ باہر بھاگا۔ دوپہر کو چھٹی لے کر آگیا۔ آخر امی کے منصوبے کا پتا تو چلے۔ لاؤنج میں امی سلائی مشین پر کچھ سی رہی تھیں۔ چھوٹا سا کرتا' وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"امی..... امی... ! میں امیر ہوگیا' مجھے مبارک دیں۔"

معظم چیختا ہوا اندر آیا تھا' امی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

سوئی میں دھاگا تو ڈال دو' اتنی دیر سے لگی ہوں' کمبخت یہ نظر....."

معظم نے بلاحجت سوئی میں دھاگا ڈالا پھر خوشی سے چلایا۔

"پتا ہے اعظم بھائی نے اپنی موٹر سائیکل مجھے دے دی جس کی مرمت صفائی میں کرتا تھا۔"

اعظم نے صولت کے ساتھ نمودار ہوکر بہت شرما کر بتایا۔

"امی! مجھے آفس کی طرف سے گاڑی مل گئی ہے۔"

امی نے کھڑے ہوکر اعظم کو گلے لگایا۔ "مبارک ہو' ارے اب تو ہمارے گھر میں خوشیوں نے روشنی پھیلادی۔ واہ کیسا مبارک پوتا ہے۔"

جس طرح ہمیشہ اس گھر میں خرم کو نئی نئی باتیں' نئے

واقعات' حیران کرنے والے قصے سننے کو ملتے تھے اور وہ ہر بار حیران ہوتا تھا۔ اب خوشی کی خبریں بھی تواتر سے مل رہی تھیں۔ کاش! میرے لیے' میری ذات کے لیے کوئی خوشی بھی مل جائے انہونی۔

اباجان آئے تو امی نے اشارے سے کہا۔ "اعظم اپنے ابا کو بھی خوشخبریاں سنادو۔ میں نے ابھی کچھ نہیں بتایا انہیں۔"

اعظم اور اباجان کو اپنی زبان سے اپنی ذات کی خوشخبری سنائے' جی نہیں' شرما گئے' ہچکچا کر رہ گئے۔ خرم نے یہ معرکہ سر کرنے کا فیصلہ کیا۔

"اباجان...." اندر پہنچتے ہی بڑے خوش ہوگئے۔

"واہ بھئی... یہ آنے والا یا آنے والی تو بہت ہی بانصیب ہے' ماشاء اللہ۔ اپنی آمد سے پہلے اپنی سواری کا انتظام کرلیا اور صاحبزادے! آپ کب سنا رہے ہیں خوشی کی کوئی خبر۔"

کہنا چاہتا تھا۔ "اباجان! آپ مجھے کب خوشی کی خبر سنائیں گے۔ میں آپ کی زبان سے اپنے بارے میں سننا چاہوں گا۔"

"اچھا تو ایسا ہے کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ اگر آپ لندن کے سفر اور وہاں قیام کے دوران اپنی بیگم کے ساتھ وقت گزاریں' آپ کو کوئی اعتراض؟"

ہونق بنا وہ ان کو مسکراتے دیکھتا رہا' ان کی مسکراہٹ اسے اپنا مضحکہ اڑاتی محسوس ہوئی۔

"جی...؟ ک... ک... کون سی... مطلب بیگم کس کس... کیا...؟"

"کس کس مطلب دو نہیں' صرف ایک۔ آپ خود کو بقراط ہی کیوں نہ سمجھ لیں مگر ہیں آپ عقل سے پیدل۔ ہم نے آپ کے لیے جو انتظام ایک سال پہلے کردیا تھا' اس پر عمل کا وقت آگیا ہے۔"

انہوں نے میز کی دراز سے ایک لفافہ نکالا' اس کو دے کر کہا۔

"پڑھیے۔"

لفافے میں شادی کا کارڈ تھا۔ کارڈ پڑھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔ ناک سے گرم بھاپیں برآمد ہوئیں۔

"یہ... یہ... ک....."

"پچھلے سال' تاریخ اور سال بدلنا پڑے گا' کوئی مشکل نہیں۔" اطمینان قابلِ دید تھا۔ وہ کھولتا ہوا بلکہ ابلتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ اف میرے ساتھ یہ کیسا کھیل کھیلا گیا۔ امی کے آگے لفافہ رکھ کر وہ انہیں گھورنے لگا۔ امی نے ایک نظر ڈالی پھر معصومیت سے پوچھا۔

"کیا ہوگیا؟" نہ حیران ہوئیں نہ پریشان۔

"یہ کارڈ کب چھپوائے گئے' مجھے بتائے بغیر؟"

"پچھلے سال مگر جب تم نے انکار کردیا' تو کیا کرتے۔"

"امی... !" وہ احتجاجاً چیخا۔

"چیخو مت' حد ہوگئی۔ یہ وہی رشتہ ہے' وہی لوگ' وہی لڑکی' ہم نے تو پہلے ہی طے کرلیا تھا' اتنے اچھے خاندانی لوگ' بڑے دل والے' انسانیت اور شرافت سے مالا مال۔ جب تم انکاری تھے' اب اسی پر راضی ہو۔" امی پرسکون۔

"پھر...؟" اس نے پوری زندگی میں اتنا ضبط نہیں آزمایا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس میں اتنی قوت برداشت ہے۔

"پھر کیا' پرسوں ہم ان کے گھر جائیں گے۔ لڑکی کو پھول پہنائیں گے' وہ تمہیں انگوٹھی پہنادیں گے اور کیا چاہتے ہو' قصہ ختم۔"

"یہ... یہ قصہ ختم کیسے... یہ کارڈ... ؟" حوصلہ جواب دیتا جارہا تھا۔ کپکپی لگ گئی۔ برداشت کی حد ہوتی ہے۔

"اب کام آئیں گے نا تمہارے باوا تاریخیں ڈال چکے ہیں۔ بس ہم جائیں گے اور نکاح بھی کردیں گے۔ اوہو' شکلیں کیوں بنارہے ہو' وہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ لڑکا بدل گیا۔" وہ دھم سے صوفے پر گرا۔

"اور پھر... ثروت... اور معظم جو کہہ رہے تھے۔"

"ہاں... معظم کا ثروت سے نکاح' اسی ہال میں ہوگا۔ دونوں کی بارات یں ساتھ جائیں گی۔ ثروت کی رخصتی اگلے سال دونوں کی تعلیم ختم ہونے کے بعد۔"

"یہ معظم... اس کو تو... اور وہی کیوں... اباجان' امی کسی نے... ارے... اتنی بڑی خوشی اور میں اس کو منا بھی نہ سکا۔ غصہ اور اشتعال... پرانے شادی کارڈ کی تاریخ بدل کر... اسی ہال میں... اواہ... کس طرح خوشی کا اظہار کروں؟"

زندگی کا یہ اہم میچ جیت چکا تھا' احمق بن کر سہی اور کسی محنت جدوجہد کے بغیر تو مسٹر خرم! آخر کار تم نے محبت کرلی اور کامیاب بھی ہوگئے لیکن خوشی سرخوشی محبت کے انمول جذبے کی قدر' تحفہ الفت پالینے کا انعام' غصے اور جھلاہٹ کی نذر کردیا۔ جشن نہیں منایا۔

پچھلے سال کے کارڈ پرانے ہیں تو کیا
یہ والدین کی بے پناہ محبت کے گواہ بھی تو ہیں

☆